فہرست مضامین

	تعارف	6
	وقت کا اہم چیلنج اور اسے سمجھنے کی ضرورت	7
	قوت ارادی کی صلاحیت اور اس سے انسانی خوبیوں کا وابستہ ہونا	10
	جماعتوں کو امت پن کا ذریعہ بنانے کی ضرورت اور اس کی صورت	12
	لاشعور سے تلخ اور منفی یادوں کے اثرات کو نکالنے کی ضرورت	14
	شعور کی تربیت کی ضرورت اور اس کی صورت	16
	مزاج کی سختی اور افراد معاشرہ پر اس کے پڑنے والے اثرات	18
	نفس کو سنوارے بغیر دنیا اور مادیت کے اثرات سے بچنا محال تر ہے	21
	زندگی اور وقت میں توازن پیدا کرنے کی ضرورت	24
	مولوی۔ معاشرہ اور جدیدیت	27
	اللہ کی راہ محبت کی خصوصیات اور اس کے نشیب و فراز	30
	سلیقہ انسانیت کا بحران بچاؤ کی صورت	34
	فرد اور اس کے دل کے درمیاں اللہ کے حائل ہونے کی سزا اور اس سے بچاؤ کی صورت	36
	اللہ کے لئے جینا اور اس کے لئے مرنا بندہ مؤمن کا دستور العمل ہونا	39
	جدید اسلامی فکر پر ایک نظر	41
	نفس کو سنوارنے کی ضرورت وقت کی قدر کرنا سیکھئے	43

	کردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا کرنے کے لئے نفس سے معرکہ آرائی کی ضرورت	45
	شعور ولاشعور کی کشمکش اور اس کے اثرات و نتائج باصلاحیت افراد کو دعوت فکر	48
	شعور ولاشعور کی کشمکش اور اس کے اثرات و نتائج باصلاحیت افراد کو دعوت فکر	51
	شعور اور لاشعور میں ہمہ آہنگی کی صورت	55
	مختلف محاذوں پر خدمت اسلام کے لئے ہونے والے کاموں کی اہمیت	57
	لاشعور کی نوعیت اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت	59
	انسانیت کی موجودہ حالت زار اور بچاؤ کی تدابیر	70
	کرونا وائرس ہمارے لئے لمحہ فکریہ	70
	موت کے دھیان کے غلبہ کا زندگی کو بدلنے میں اہم کردار	72
	ہمارے لئے تین سبق	74
	دنیاوی زندگی اور موت کی اصلیت	76
	عاجزی، انکساری، اور اللہ کے در پر سجدہ ریزی کی راہ اختیار کرنا	78
	طاقت اور مادی خوشحالی کی کچھ ''خرابیاں'' جدید صورتحال کے پس منظر میں	80
	انسانیت کی ابدی زندگی کی فکر مندی اور اس کے لئے اضطراب کی ضرورت	82
	نئے حالات میں اہل مغرب اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل	84
	بالادست قوموں کے تین بڑے گناہ	86
	ہمارے روحانی ورثے کی امتیازی خصوصیات اور اس ورثے کو مضبوطی سے تھامتے رہنے کی ضرورت	88

	کروناوائرس کاایک نیاورلڈ آرڈر ثابت ہونا	90
	قدرت کاورلڈ آرڈر اوراس کے کچھ اہم نکات واصول	93
	قوم کے اوپر کے طبقات کی تین کمزوریاں اورانہیں دور کرنے کی ضرورت	97
	اللہ کے عتاب کو دعوت دینے والے اعمال بیدار ہونے کی ضرورت	99
	اپنی دنیاخود بنانے اور آباد کرنے کی ضرورت نئے حالات کے پس منظر میں	101
	عبرت حاصل کرنے میں دنیا کی محبت اور تکبر کا رکاوٹ ہونا	105
	مادی تہذیب کے اثرات اور بچاؤ کی صورت	107
	آخری دور میں فتنوں کا بارش کی طرح ہونا احادیث مبارکہ کی روشنی میں	110
	اجتماعی کردار کو ملی کردار سے ہمہ آہنگ بنانے کی ضرورت	113
	سچی روحانیت کے ذریعہ انسانیت کو حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات ایک نظر میں	115
	مادی تہذیب اوراس سے بچاؤ کی صورت	118
	قوم کے مختلف طبقات کو دعوت فکر خود احتسابی سے کام لینے کی ضرورت	121
	موجودہ حالات میں انسانیت کو حکمت و بصیرت کی حامل قیادت کی ضرورت	123
	آفتوں کا خاموش پیام مسلمانوں کے لئے راہ عمل	125
	اپنے اجتماعی نظام کو بدلنے کی ضرورت	127

تعارف

زیر نظر کتاب افراد معاشرہ کی دینی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی بہتری، انفرادی و معاشرتی اور اجتماعی زندگی کو سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور کرنے کے موضوعات پر ہے، ان موضوعات پر مختصر مضامین میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو ہو۔

اس وقت ہمارے معاشرہ میں جو بگاڑ پیدا ہوا ہے، اس بگاڑ کی نوعیت کو سمجھکر اس کے علاج وازالہ کی ضرورت ہے، لگ بھگ ساٹھ ستر اہم موضوعات پر کتاب میں بحث کی گئی ہے۔

کتاب میں شعور ولاشعور، روحانیت اور اسلامیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرکے، صحیح خطوط پر ذہن سازی کی کوشش کی گئی ہے، موجودہ دور میں طاقتور جدید میڈیا کی وجہ سے اسلام اور اسلامیت کا صحیح شعور اجاگر ہونے میں ہمیں ناکامی ہوئی ہے، سیکولرزم کی فضا عام ہوئی ہے، دل میں حجابات پیدا ہوئے ہیں، انانیت، بڑے پن اور خود نمائی کے بت مستحکم ہوئے ہیں، ان بتوں کے مستحکم ہونے کی وجہ سے صحیح دینی فہم بُری طرح متاثر ہوا ہے۔

ان حالات میں جدید نوعیت کے بہت سارے مسائل پر متوازن فکر دینے کی سخت ضرورت ہے، اس کتاب کے ذریعہ کسی حد تک اس ضرورت کو پورا کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو نافع بنائے اور اپنے ہاں اسے قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین

حیدرآباد — محمد موسیٰ بھٹو

محمد موسیٰ بھٹو

وقت کا اہم چیلنج
اور اسے سمجھنے کی ضرورت

اس دور میں طاقتور میڈیا اور نظام تعلیم کے ذریعہ ہمارا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے، ہماری پاکیزہ تہذیب، روحانی واخلاقی اقدار، ہمارا طرز زندگی اور ہماری معاشرت غرض کہ ہر چیز خطرے سے دوچار ہے۔

آج قوموں کی سطح پر کشمکش اس بات کی ہے کہ کون سی تہذیب زندہ رہے، اسلامی تہذیب یا مادہ پرست تہذیب، مادہ پرست تہذیب کے علمبرداروں نے اپنے بیشتر وسائل اس کام میں لگا دیئے ہیں کہ ان کی تہذیب زندہ اور طاقتور ہو، اسلامی تہذیب جو ان کی سب سے زیادہ حریف تہذیب ہے، اس کو نہ صرف پنپنے کا موقعہ نہ ملے، بلکہ وہ اپنے اپنے ملکوں اور اپنے مراکز میں بھی بے گانہ ہو اور مسلمانوں کی نئی نسل مادہ پرست تہذیب پر فدا ہو۔

سیکولر نظام تعلیم اور سوشل میڈیا اس دور میں سب سے طاقتور ہتھیار ہیں، جن کے ذریعہ سے نوجوان نسل کے دل ودماغ پر اثر انداز ہو کر، ان کو مادہ پرست اور نفس پرست بنانے کے لئے کوششیں عروج پر ہیں۔

عالمی طاغوت کے لئے دنیا پر مادہ پرست تہذیب کے غلبہ کا کام ان کی موت اور زندگی کے سوال کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس لئے کہ قوموں کی اقتصادیات پر ان کی بالادستی، ان کی غیر معمولی عسکری قوت، دنیا میں ان کی شوریٰ شوری، ان کا رعب اور ہیبت کا سارا دارومدار اس بات سے وابستہ ہے کہ قومیں بالخصوص مسلمان ملت ذہنی، فکری اور تہذیبی طور پر اپنی پاکیزہ تہذیب سے دستبردار ہو کر، مادہ پرست تہذیب کی حامل اور اسیر ہو۔

اس مقصد کے لئے مسلمانوں کے ہر شعبہ سے وابستہ ذہین اور باصلاحیت افراد کو خرید کر ان کو سیکولرزم کے غلبہ اور پاکیزہ اسلامی تہذیب سے برسرپیکار ہونے کے مقصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو صورتحال کافی تشویشناک ہے، سوشل میڈیا میں ہزارہا گروپ ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر مادہ پرست تہذیب کے غلبہ کے لئے کام کر رہے ہیں، اس کے مقابلہ میں سوشل میڈیا میں اسلامی تہذیب کے علمبرداروں کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔

موجودہ دور فکر اور پبلسٹی کا دور ہے، اور تہذیبوں کے درمیاں شدید کشمکش کا دور ہے، اور تہذیبوں کی یہ جنگ تعلیم، فکر، نشر واشاعت، الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا پر لڑی جارہی ہے، اس میں وہی قوم غالب ہوگی، جو نسلوں کی تعلیم، وتربیت، ان کی ذہن سازی اور ان کی طبیعتوں کی نشوونما اور مزاج ونفسیات کی ساخت میں اپنی تہذیب کو شامل اور داخل کرنے میں کامیاب ہوگی اور وہ قوم ناکام ہوگی، جو اس محاذ سے غافل ہوگی، وہ بظاہر چاہے کتنی ہی پاکیزہ تہذیب کی نام لیوا کیوں نہ ہو۔

ذہنی غلامی، نظریاتی محاذ پر شکست اور باطل تہذیب سے مرعوبیت، یہ ایسی چیزیں ہیں، جو جسمانی غلامی سے ہزار گنا زیادہ تر ہیں، اس لئے کہ اس طرح کی غلامی کے نتیجہ میں قومیں اپنا سب کچھ غالب تہذیب کے علمبرداروں کے نچھاور کرنے پر از خود آمادہ ہو جاتی ہیں اور انہیں عسکری جنگ کے ذریعہ مفتوح کرنے کی ہرگز ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔

تعلیم، نظریات اور تہذیب کے محاذ پر ہونے والی جنگ کی اس قدر فیصلہ کن اہمیت کے باوجود اس محاذ پر ہماری غفلت ایسی ہے، جس سے یہ خطرہ درپیش ہے کہ کہیں ہم اپنا سب کچھ ضایع کر نہ کر بیٹھیں۔

یہ دور غیر جانبداری کا دور نہیں ہے۔ غیر جانبداری کی سزا یہ ہے کہ ان کی نسلوں کو اپنی تہذیب کا حصہ بنا کر، انہیں جسمانی غلامی سے بھی بدتر غلامی کا شکار بنایا جاتا ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارا مذہبی طبقہ وقت کے اس چیلنج کو سمجھکر، اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے حصہ کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

نظریات اور تہذیبوں کی کشمکش کے اس دور میں نظریات کے پھیلاؤ اور الیکٹرانک میڈیا کا محاذ سب سے اہم اور طاقتور محاذ ہے، اس محاذ پر کام کے لئے ذہین مذہبی افراد کا رجوع ہونا، وقت کی اہم ضرورت ہے۔

قوت ارادی کی صلاحیت

اور اس سے انسانی خوبیوں کا وابستہ ہونا

قوت ارادی ایسی چیز ہے، جو اگر پیدا ہو جائے تو نفسی قوت اور مادی قوت پر غلبہ پایا جا سکتا ہے، انسانی شخصیت میں کردار کا بحران اور قول و عمل میں تضاد کی جو حالت پیدا ہوتی ہے، وہ دراصل قوت ارادی کے فقدان ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اور قوت ارادی ایسی چیز ہے، جو آسانی سے پیدا نہیں ہوتی، اس کے لئے دل کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے، اسے اللہ کی محبت اور ایمان ویقین سے سرشار کرنا پڑتا ہے، ہماری عبادت، قوت ارادی کو مستحکم کرنے میں اس لئے کردار ادا کرنے نہیں پاتی کہ عبادت رسمی نوعیت کی ہوتی ہے، جسم تو عبادت کر رہا ہوتا ہے، لیکن دل دنیا میں مصروف ہوتا ہے، جب تک دل صحیح اور پاکیزہ بنیادوں پر استوار نہیں ہوتا، اس وقت تک نہ تو قوت ارادی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی کردار میں رونق آسکتی ہے۔

اسلام جس قسم کا انسان تیار کرتا ہے، وہ دوسروں کا آخری حد تک بہی خواہ انسان ہوتا ہے، وہ دوسروں کی اذیت دیکھکر غم زدہ ہو جاتا ہے، وہ لوگوں کی اخلاقی اور روحانی حالت زار دیکھکر سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے، وہ لوگوں کی دین و دنیا بنانے کے لئے آخری حد تک اپنے حصہ کا کردار ادا کرتا ہے، وہ دوسروں سے اپنے مفادات وابستہ کرنے کی بجائے زہد کا مظاہرہ کرتا ہے۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ حقیقی قوت ارادی ایمان ویقین کی مستحکم حالت اور اللہ سے والہانہ محبت کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔

مذہبی افراد کے بارے میں عام طور پر یہ شکایت سنی گئی ہے کہ وہ معاملات میں بہتر ثابت نہیں ہوتے، کردار کے اعتبار سے بھی کمزور ہوتے ہیں، وہ اکثر غصہ، اشتعال اور جھنجھلاہٹ کا شکار رہتے ہیں، نیز وہ تھوڑی تھوڑی بات پر تعلقات قطع کرتے ہیں، وہ دوستوں کے لئے بہتر اور گھر والوں کے لئے کم ہی بہتر انسان ثابت ہوتے ہیں، اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عبادت، اخلاق حسنہ کا حامل

بنانے اور انسانی سلیقہ سے آشنا کرنے میں معاون ثابت نہیں ہوتی، ہماری نظر میں عبادت کے بارے میں یہ نقطہ نگاہ بالکل غلط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو انسان بنانے اور پاکیزہ اخلاق کا حامل بنانے میں عبادت مؤثر اور فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ عبادت میں دل کی حضوری اور دل کی ساری صلاحیتیں پوری قوت کے ساتھ شامل ہوں اور روزمرہ زندگی میں عبادت اور ذکر وفکر کا حصہ قابل ذکر ہو۔

اس طرح کی عبادت سے ہی اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے، جب کہ رسمی عبادت باطن کو بدل کر فرد کو اخلاق حسنہ کا حامل بنانے میں کردار ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔

اسلام میں عبادت اور ذکر وفکر کی اہمیت اس لئے ہے کہ ایک تو وہ بجائے خود مقصود ہے (اور عبدیت کا عین تقاضا ہے) دوسرے یہ کہ عبادت اور ذکر وفکر سے دل اور روح کو بتدریج نفسی قوتوں پر فتحیاتی حاصل ہونے لگتی ہے، نفسی قوت جو اللہ کی الوھیت میں شمولیت کی دعویدار ہے، جب تک عبادت اور کثرت ذکر کے انوار سے اس معبود باطل کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع نہ ہوگا، اس وقت تک نہ تو عمل صالحہ اور اخلاق حسنہ پیدا ہو سکیں گے اور نہ ہی قوت ارادی مستحکم ہوگی۔

یہاں قوت ارادی سے ہماری مراد یہ ہے کہ فرد میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ وہ ہر طرح کے حالات میں نفسی قوتوں اور مادی قوتوں سے مقابلہ کر کے، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پر قادر ہو جائے اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہو جائے اور انسانوں کے کام آنے کے حوالے سے اس کی حساسیت میں اضافہ ہو جائے۔

یہ قوت ارادی جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اللہ سے والہانہ محبت اور مستحکم تعلق کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ نفس خود الوہیت کا دعویدار ہے، وہ ہر صورت میں اپنی بڑائی، اپنی شیخی، اور اپنا مفاد چاہتا ہے، نفس کی دعوے الوہیت کی موجودگی میں پاکیزہ انسانی اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے، ہاں قومی اور کاروباری نوعیت کے اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں۔

جماعتوں کو امت پن کا ذریعہ بنانے کی

ضرورت اور اس کی صورت

دینی جماعتیں اور تنظیمیں ایک اعتبار سے ملت کا سرمایہ ہوتی ہیں کہ اس کی وجہ سے افراد کی بہتر ذہنی تربیت ہوتی ہے اور انہیں خدمت اسلام اور دعوت اسلام کے کام پر لگایا جاتا ہے، اس طرح معاشرہ میں مادیت کے مسموم اثرات کے قلع قمع اور اور تعمیر معاشرہ کا کام ہوتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جماعتوں کا وجود امت کی تقویت کا باعث ہوتا ہے، لیکن زوال پذیر دور میں اخلاص، حکمت، اور للھیت کی کمی وجہ کی وجہ سے جماعتوں سے وابستہ افراد میں ایک بڑا نقص یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کو ملت کے متبادل کی حیثیت دینے لگتی ہیں اور حق وصداقت کے بارے میں بھی نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا یہ نقطہ نگاہ بن جاتا ہے کہ حق وصداقت کا معیار ان کی جماعتی فکر ہی ہے، ایک دوسرا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی جماعت سے باہر دوسری جماعتوں میں موجود خیر کے اجزاء کو سمجھنے میں ناکامی ہوتی ہے، اور یہ چیز ایسی ہے جو امت میں تقسیم اور ایک دوسرے سے دوری کا موجب بن جاتی ہے۔

اگرچہ ہر جماعت کی دعویٰ یہی ہے کہ ان کی فکر قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہے اور ہر جماعت نے اپنے آپ کو برسر حق ثابت کرنے اور دوسروں کی تغلیط کے لئے بہت سارا لٹریچر بھی تیار کر لیا ہے اور دلائل کے انبار جمع کئے ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر جماعت کے پاس حق وصداقت کے اجزاء موجود ہوتے ہیں، لیکن ہماری نظر میں اصل برحق جماعت وہی ہوتی ہے، جو سلف صالحین کی اسلامی فکر پر یقین رکھتی ہو، اور دین کے اہم اور بنیادی معاملات میں سلف صالحین کی اسلامی فکر سے باہر جانے کے لئے سوچنے کی روادار ہی نہ ہو، پھر برسر حق جماعت کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ملت کے رشتہ کو فیصلہ کن اہمیت دیتی ہے اور جماعتی مفاد اس کی نظر میں اتنا اہم نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے امت کی تقسیم تک نوبت پہنچ جائے۔

جماعت، افراد کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے، جماعت کا دوسرا مقصد معاشرہ میں خیر کو فروغ دینا اور خدمت دین کا کام ہوتا ہے، لیکن جب جماعت ان دونوں کاموں سے زیادہ جماعتی عصبیت پیدا کرنے، امت کے دوسرے طبقوں کے بارے میں سختی پیدا کرنے اور دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح حکمرانوں کو للکارتے رہنے کا ذریعہ بن جائے تو اس طرح کی جماعت، اسلامی کاز کے نقطہ نگاہ سے زیادہ افادیت کی حامل نہیں ہوتی، جماعتوں کا جماعتی اور گروہی عصبیت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ جماعتوں سے وابستہ افراد میں دلِ بینا پیدا کی جائے، دلِ بینا سے افراد میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے، جس سے وہ اپنے اسلام، اسلامیت اپنے اعمال اور اپنے ایمان ویقین اور اپنی خدمت اسلام کے بارے میں ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں، ان اللہ کے ہاں ان کی فکر، ان کی جدوجہد اور ان کے اعمال صالحہ قبولیت کا شرف حاصل کر سکیں گے بھی یا نہیں۔

دلِ بینا فرد کو اپنے بارے میں یہ انتباہ دیتا رہتا ہے کہ دوسروں کی اسلامیت کو باعث خطرہ سمجھنے کی بجائے امت کو منقسم کرنے اور ان کی فکر کرنے سے زیادہ اپنی فکر کر، اپنے تزکیہ اور اپنی نجات کے کام کو سارے کاموں پر اولیت دو۔

جماعت کے ساتھ ایک حد تک جذباتی وابستگی تو پیدا ہو جاتی ہے، جو ایک حد تک فطری بات ہے، لیکن جماعت جب بجائے خود حق وصداقت کا معیار بن جائے تو جماعتی عصبیت سے بچنا دشوار ہوتا ہے، اسی عصبیت کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مثال دلدل کی سی ہے۔ ظاہر ہے دلدل سے نکلنا دشوار تر ہوتا ہے۔

ہماری اس گفتگو سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ہم جماعتوں اور تنظیموں کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ جماعتوں کا مقصود افراد کی اصلاح ہو، خدمت دین کا کام ہو، اپنی جماعتوں سے وابستہ افراد کا تزکیہ ہو، معاشرہ کو مادیت سے بچانے کا کام ہو، اور اجتماعی زندگی (جس میں سیاست بھی شامل ہو) میں اصلاح اور بہتری کا کام ہو۔

یہ ایسا کام ہے، جو دینی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے، جب اخلاصِ للھیت اور حکمت کے ساتھ یہ کام ہوگا تو جماعتیں امت پن کو فروغ دینے کا ذریعہ بنیں گی، نہ کہ امت کو کمزور کرنے کا۔

لاشعور سے تلخ اور منفی یادوں کے

اثرات کو نکالنے کی ضرورت

لاشعور انسانی شخصیت کا وہ حصہ ہے، جہاں زندگی بھر کے اعمال، واقعات، مشاہدات اور یادوں کے اثرات قائم رہتے ہیں، بلکہ یہ کہنا یہ زیادہ صحیح ہوگا کہ اعمال، لاشعور میں پوری طرح ثبت ہوتے ہیں، چھوٹے سے چھوٹے عمل سے لے کر بڑے اعمال تک لاشعور میں موجود ہوتے ہیں، نیک اعمال سے لاشعور میں ایسا خزانہ موجود رہتا ہے، جو لاشعور کو منور کرتا رہتا ہے، جب کہ بُرے اعمال سے لاشعور میں تہلکہ برپا رہتا ہے۔

لاشعور کی بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہ زندگی بھر کے اعمال، واقعات، واردات اور ان کے منفی اور صحتمند اثرات کو ساری انسانی شخصیت اور دل، دماغ اور نفسیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے، بُرے اور منفی اعمال چونکہ انسانی شخصیت کی ساخت، اس کی بناوٹ اور اس کی فطرت سے متصادم ہیں، اس لئے بُرے اعمال سے لاشعور میں تاریک یادوں کے اثرات اس قدر طاقتور صورت میں موجود رہتے ہیں کہ یہ اثرات انسانی شخصیت کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں اور جسمانی نظام کو مختلف بیماریوں کا شکار بنا دیتے ہیں، ڈپریشن، بلڈ پریشر اور شگر جیسے امراض میں لاشعور میں موجود منفی اعمال اور ان کے اثرات کو بنیادی عمل دخل حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح نیک اعمال کے غلبہ اور ان کے مسلسل تکرار سے لاشعور میں طاقتور مثبت شعائیں ثبت ہوتی رہتی ہیں، بلکہ صحتمند اعمال کی عکس ریزی ہوتی رہتی ہے، نیکوکاری پر مشتمل یہ اعمال لاشعور کو اتنا منور کر دیتے ہیں کہ لاشعور ساری انسانی شخصیت کو پاکیزہ پیغامات ترسیل کرتا رہتا ہے، اس طرح انسانی شخصیت میں توازن، ٹھہراؤ، پاکیزگی اور احساس حسن غالب ہونے لگتا ہے۔

وہ لوگ جن کے ساتھ بچپن یا نوعمری میں زیادتیاں ہوئیں، اور انہیں ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا، ایسے افراد کے لاشعور میں موجود یادیں نہایت تلخ ہوتی ہیں اور وہ شدید منفی احساسات کا شکار رہنے لگتے

ہیں، نیز ان کی نفسیات میں بنیادی خلل پیدا ہو جاتا ہے، نیز ان منفی یادوں سے جان چھڑا کر رد عمل کی نفسیات سے اوپر اٹھنا، ان کے لئے از حد دشوار ہوتا ہے۔

بہت سارے افراد دیکھے گئے ہیں، جنہیں لاشعور کے منفی اثرات زندگی کے ہر موڑ پر شدید مضطرب اور بے قرار کر دیتے ہیں اور ان کے ذہن اور سوچ کو فساد سے بھر دیتے ہیں، اس طرح وہ زندگی کے ہر موڑ پر دوراہے پر کھڑے رہ جاتے ہیں اور ان کے لئے لاشعور کی یادوں سے جان خلاصی کی صورت پیدا نہیں ہو پاتی اور بعض ایسے افراد تک دیکھے گئے ہیں، جو مایوسی کے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں زندگی پر موت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

پرانی یادوں اور منفی اعمال کے اثرات سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ فطرت میں طاقتور نصب العینی تقاضے یعنی اللہ کی محبت سے وابستہ ہو کر، لاشعور کو آتش عشق کے ذریعہ پاک وصاف کیا جائے اور اسے اعمال صالحہ اور فکر صالحہ کے اثرات سے بھرا جائے۔

لاشعور کو نفسی، مادی اور شیطانی قوتوں کے ساتھ ساتھ رحمانی قوتوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے، دونوں قوتیں لاشعور پر پاکیزہ اعمال، بُرے اعمال، اچھی سوچ اور منفی سوچ کے ذریعہ اثر انداز ہوتی رہتی ہیں، جب تک لاشعور پر رحمانی قوتوں کے اثرات غالب نہ ہوں، اس وقت تک لاشعور میں کشمکش جاری رہے گی، نئے اچھے اعمال اور نئی صحتمند فکر لاشعور پر پڑنے والے منفی اعمال و منفی فکر کے اثرات کو نکالنے کا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

ہمت اور حوصلہ سے کام لے کر راہ محبت میں چلتے رہنے کی ضرورت ہے، لاشعور کو پاکیزہ اعمال اور پاکیزہ فکر کے اثرات سے بھرنے اور منفی فکر اور منفی نوعیت کے واقعات و یادوں کو نکالنے کی یہی صورت ہے، صبر اور استقامت سے کام لیتے رہنے کی ضرورت ہے۔

شعور کی تربیت کی ضرورت

اور اس کی صورت

موجودہ دور مادیت کے غلبہ کا دور ہے، مادیت کو حاصل ہونے والا یہ غلبہ مادی فکر کے نتیجہ میں ہی ہوا ہے، اس لئے اس دور میں شعور کی تربیت کا کام غیر معمولی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے، جب تعلیم و تربیت اور میڈیا کے سارے ذرائع شعور کو بگاڑنے اور اسے مادی فکر سے ہمہ آہنگ بنانے کے کام میں مصروف ہوں تو ظاہر ہے اس کام کی اہمیت مسلمہ ہو جاتی ہے۔

شعور کا تعلق ذہن اور دل دونوں سے ہے، ذہن جب باطل افکار اور مادی فکر کا شکار ہوتا ہے تو اس کے اثرات دل پر پڑے بغیر نہیں رہتے، اس لئے شعور کے بگاڑ سے ذہن اور دل دونوں میں فساد برپا ہونے لگتا ہے۔

شعور کی بہتر خطوط پر تربیت کے لئے بہتر استدلال، وعظ و نصیحت، علمی کتابوں کا مطالعہ اور پاکیزہ افراد کی صحبت یہ چار اہم ذرائع ہیں، جن سے شعور کی بہتر تربیت ہوتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ ذہن اور دل میں مطابقت اور ہمہ آہنگی پیدا ہونے لگتی ہے۔

بہتر استدلال سے ذہن کے اشکالات دور ہوتے ہیں اور حق و حقیقت تک پہنچنے کے لئے علمی طور پر راہ ہموار ہوتی ہے، لیکن اشکالات کی دوری کے باوجود محض استدلال سے عمل صالحہ پر آمادگی نہیں ہوتی، وعظ و نصیحت کی باتوں سے بھی شعور کی تربیت اور اس کی اصلاح میں مزید بہتری آتی ہے، علمی نوعیت کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی فرد ذہنی طور پر حق کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔

استدلال، وعظ و نصیحت اور علمی کتابوں کے مطالعہ سے فرد پر حق و حقیقت تو واضح ہونے لگتی ہے، یہ چیزیں فرد کو کسی حد تک عمل صالحہ پر ابھارنے کا ذریعہ بھی بنتی ہیں، لیکن شعور کی حقیقی تربیت کا عمل اس وقت شروع ہوتا ہے، جب صاحبان عقلیت کے ساتھ صاحبان دل سے محبت کا رشتہ منسلک ہونے لگتا ہے، جب دل میں محبوب حقیقی سے محبت کے ساز بجنے لگتے ہیں اور دل محبوب حقیقی کے انوار حسن سے متمتع ہونے لگتا ہے تو ذہن کو بھی ان انوار حسن کا کچھ حصہ منتقل ہونے لگتا ہے، جس

سے ذہن کی محبوب کے لئے وارفتگی کی حالت پیدا ہونے لگتی ہے، اگرچہ محبوب کے لئے وارفتگی کی یہ حالت دل کا عمل ہوتی ہے، لیکن چونکہ دل اور ذہن کا باہم بہت گہرا تعلق ہے، اس تعلق کی وجہ سے ذہن محبوب کے ان انوار کی گونج محسوس کرنے لگتا ہے، جس سے وہ سراپا حیرت بن جاتا ہے اور وہ استدلال، وعظ و نصیحت اور علمی کتابوں کے مطالعہ کو حق تک رسائی کی راہ میں پہلا قدم یا پہلا زینہ تصور کرنے لگتا ہے۔

شعور استدلال بھی چاہتا ہے (جس سے حق کے سلسلہ میں اس کے سارے شکوک و شبہات دور ہوں) تو وہ دل کے ذریعہ محبوب کے انوار حسن سے بھی محفوظ ہونا چاہتا ہے۔

جدید دور میں مادی فکر کے غلبہ کی وجہ سے شعور کی تربیت کے لئے جہاں بہتر سے بہتر استدلال پر مبنی فکر کی ضرورت ہے، وہاں پاکیزہ محبت کے اجزاء سے فیضیابی بھی ناگزیر ہے، دوسری صورت میں شعور کی تربیت نامکمل رہے گی اور اس کے لئے حق و حقیقت تک رسائی دشوار تک ہوگی۔

اس نکتہ کو سمجھنے سے صاحبان عقل کے لئے محبوب حقیقی سے محبت کے راستے کھل سکتے ہیں کہ محبت ہی وہ قیمتی جوہر ہے، جو عقلیت اور مادیت کے بتوں سے جان خلاصی کا سب سے طاقتور ذریعہ ہے۔

مزاج کی سختی اور افراد معاشرہ پر اس کے پڑنے والے اثرات

مزاج کی سختی اگرچہ ایک معمولی بیماری نظر آتی ہے، لیکن یہ بیماری متعلقہ فرد، ان کے دوستوں اور گھر والوں کے دلوں کو چھلنی کر دیتی ہے اور ان کی زندگیوں میں تلخیوں کا زہر گھول دیتی ہے، فرد مزاج کے خلاف ہونے والی باتوں کے جواب سے مشتعل ہو کر ایسے بول بول دیتا ہے، جس سے افراد کی نفسیات میں بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے، مزاج کی سختی، اشتعال اور جھنجھلاہٹ اس دور کی عام بیماریوں میں سے ہے، جس نے افراد معاشرہ کو قابل رحم حالت تک پہنچا دیا ہے، گھروں میں ناچاقیاں، دوستوں اور ساتھیوں میں رنجش، تعلقات میں کشیدگی، ایک دوسرے سے بے زاری اور بدخواہی، ہمدردی و خیر خواہی سے محرومی وغیرہ یہ ساری بیماریاں مزاج کی سختی ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں، پھر مزاج کی سختی انتقامی جذبہ پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بنتی ہے، نیز اس بیماری کا مریض معاشرہ سے کٹ کر رہ جاتا ہے اور وہ مخلص دوستوں سے بالکل محروم ہو جاتا ہے اور زندگی کے دوراہے پر وہ اکیلا رہ جاتا ہے، یہی نہیں، بلکہ وہ طرح طرح کی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مزاج کی سختی، جھنجھلاہٹ اور اشتعال کی نفسیات کو عام کرنے میں ایک تو دور جدید کی معاشی تگ و دو نے کردار ادا کیا ہے کہ فرد دن بھر کی محنت و مشقت کے باوجود اتنے وسائل بھی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، جس سے اس کی روزمرہ ضروریات کا انتظام ہو سکے، اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم نے خواہشات کی چیزوں کو بنیادی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیا ہے، جب خواہشات بنیادی ضرورت میں شامل ہو جائیں تو ظاہر ہے اس کے لئے کافی وسائل چاہئے، یہ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے فرد اشتعال، جھنجھلاہٹ اور مزاج کی سختی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس کا تیسرا بڑا اور سب سے اہم سبب دل اور روح کو ذکر کی مطلوبہ خوراک نہ دینا ہے، دل اور روح جو انسانی شخصیت کی اصل ہیں، جب ان کو ذکر و فکر اور عبادت میں انہماک کی غذا نہیں ملتی تو وہ

سخت حالت اشتعال میں آجاتے ہیں، وہ اپنا یہ اشتعال ذہن اور اعضائے جسم کی طرف منتقل کرتے ہیں، جس سے انسانی شخصیت غیر متوازن ہو جاتی ہے اور جھنجھلاہٹ کا شکار بھی۔

سخت مزاجی کی ''خاصیت'' ہے کہ وہ دوستوں کے دلوں کو چھلنی کر کے، ان کو دور کر دیتی ہے بلکہ اپنا مخالف بنا دیتی ہے، سخت مزاجی گھروں میں آئے دن نئے نئے تنازعات پیدا کر دیتی ہے، سخت مزاجی سے فرد کی شخصیت میں زہر سرایت کر جاتا ہے۔

سخت مزاجی جب عام ہو جائے اور لاکھوں کروڑوں افراد اس بیماری کا شکار ہو جائیں تو وہ معاشرہ جس قدر بھی فساد سے دوچار ہو جائے، کم ہے، بلکہ ایسے افراد پر مشتمل معاشرہ آگ کے دہانے پر کھڑا ہوتا ہے۔

ضرورت ہے کہ معاشرہ میں برداشت کا مادہ پیدا ہو اور ایک دوسرے کی تکریم بھی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ سارے خیر سے محروم ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی کو اذیت پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اذیت پہنچائے گا، جو شخص کسی سے دشمنی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مشقت اور تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

آپ نے ایک اور حدیث شریف میں فرمایا کہ ملعون ہے وہ شخص جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا اسے دھوکہ دے۔

چونکہ سخت مزاجی کا اکثر اظہار زبان کے ذریعہ ہوتا ہے اور زبان سے زہر اگلنے لگتا ہے، اس لئے زبان کے بارے میں بھی کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

فرمایا، خاموشی سب سے بڑی عبادت ہے، فرمایا، جس نے خاموشی اختیار کی، اس نے نجات پائی۔

فرمایا، جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ گفتگو اچھی کرے، ورنہ خاموش رہے۔

فرمایا، زبان کا غلط استعمال لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔

فرمایا، انسان کے اکثر گناہ زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

فرمایا، لوگوں کو کثرت سے جہنم میں ڈالنے والی چیز زبان و شرم گاہ ہے۔

فرمایا، قیامت کے دن انسانوں کے نہ صرف اعمال بلکہ اقوال بھی تولے جائیں گے۔

نفس کو سنوارے بغیر
دنیااور مادیت کے اثرات سے
بچنا محال تر ہے

نفس کو سنوارنا، اسے مہذب بنانا اور اس کا تزکیہ کرنا، یہ دین کے مقاصد میں شامل ہے، انسان کی انسانیت اور اس کی پاکیزہ اخلاقی زندگی اسی سے وابستہ ہے، **قد افلح من تزکیٰ** (کامیاب ہے وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کیا) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

اسلام، تزکیہ اور اخلاق حسنہ کو جو فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، بد قسمتی کی بات ہے، کہ اس دور میں نہ صرف اس سے غفلت ہے، بلکہ سرے سے اس کا ادراک اور شعور ہی چھن گیا ہے۔

تزکیہ اور اخلاق حسنہ کے بغیر انسانی معاشرہ کی جو حالت بنتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ جانوروں بلکہ درندوں کے معاشرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، آپس میں ٹکراؤ، ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کاوشیں، اہل سیاست کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ، حرص وہوس کے جذبات کی تسکین کی خاطر سرمایہ داروں کی طرف سے لوگوں کو بھوکے مارنا، یہ ساری چیزیں تزکیہ سے محرومی ہی کا نتیجہ ہیں۔

اس دور میں نفس کو سنوارنے کا کام سب سے زیادہ دشوار اس لئے ہوا ہے کہ انسانیت نے عام طور پر مادیت، مادی زندگی اور دنیا و دولت ہی کو مقصود بنایا ہے، ہمارے تعلیمی نظام، ہمارے میڈیا اور ہماری سیاسی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل ہی دولت اور دنیا کو مقصود بنانے کی بنیادوں پر ہوئی ہے۔

یہ دولت کا جنوں ہی ہے، جس کی روح عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک پھونکی جارہی ہے، انسان چونکہ ماحول کا پیداوار ہے، اس لئے ماحول کے اثرات سے بچکر دوسری سمت میں سفر کرنا دشوار تر ہوتا ہے۔

دولت اور دنیا جب ساری سرگرمیوں کا مرکز بن جائے، روح، روحانیت آخرت کی زندگی اور تزکیہ کے حوالے سے بات سننے پر آمادگی ہی نہ ہو تو اس سے انسانی زندگی میں جتنا بھی فساد برپا ہو جائے اور شخصیت میں جتنا بھی زہر سرایت کر جائے کم ہے۔

دولت اور دنیا کا جنون ایسی چیز ہے، جو قلبی سکون کو برباد کرنے، نفس کو بے قابو کرنے، حرص وہوس کے بتوں کو مستحکم کرنے اور انسانیت کی فکر اور اس کے درد کو ختم کرنے اور مالداروں کو سنگ دل بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مادیت پرستی کے سیلاب میں سب لوگ بہہ جاتے ہیں، سوائے ان افراد کے جو چٹان کی طرح جمے ہوں، چٹان کی طرح جمے ہوئے افراد وہ ہوتے ہیں، جو ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے اللہ سے تعلق مستحکم کرنے، اپنا تزکیہ کرنے، دل اور روح کو نفسی اور مادی قوتوں پر غالب کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔

ایسے خوش نصیب افراد ہی ہوتے ہیں، جنہیں دنیا فریب دینے اور مادی زندگی کی خوشحالی اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب نہیں ہوتی، زہد، فقر، سادگی، قناعت، درویشی اور دنیا سے بے نیازی ان کا سرمایہ حیات ہوتی ہے، وہ تھوڑے پر راضی اور اس پر قانع ہوتے ہیں۔ یہ دنیا دراصل ایسے درویشوں کے دم قدم سے ہی قائم ہے۔

اس نکتہ کا دھیان ضروری ہے کہ جس دل میں دنیا ہوگی، اس دل میں اللہ اور اللہ کے انوار سما نہیں سکتے۔

زہد کے صاحبان، دنیا کے اتنے حصے پر راضی رہتے ہیں، جس سے ان کی کم سے کم ضروریات پوری ہوں، جس سے جسم اور روح کا رشتہ قائم ہو سکے، وہ زہد کی اپنی اس حالت پر اتنا شاداں وفرحاں ہوتے ہیں کہ گویا انہیں دنیا میں سب کچھ مل گیا۔

صاحبان زہد کو حلاوت کی یہ زندگی دراصل اللہ کی محبت کی دنیا میں مسلسل چل کر نفس کو سنوارنے، اسے مہذب بنانے اور نفس کو نفس مطمئنہ بنانے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح کے صاحبان زہد اور صاحبان دل کی صحبت سے ہم زیادہ نہیں، اتنا تو کر سکتے ہیں کہ تزکیہ کے کچھ اجزاء حاصل کریں، جس سے ہمارے جسم کا داخلی نظام فساد، انتشار، بے یقینی ان جانے خوف، بے قراری، دنیا کی ہیبت، اس کی دہشت اور فکری انتشار سے بچ سکے اور زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ آخرت کی ابدالاباد کی زندگی کی فکر پیدا ہو سکے۔

مادیت پرستی کے سیلاب کے اس دور میں صاحبان دل اور صاحبان زہد کی صحبت کے بغیر ہمارے لئے اس سیلاب سے بچنا محال ہے۔

زندگی اور وقت میں توازن پیدا کرنے کی ضرورت

زندگی اللہ کا بہت بڑا انعام بھی ہے تو ساتھ ساتھ بہت بڑی آزمائش بھی۔ انعام اس لئے ہے کہ قیمتی زندگی کو ابدالاباد والی زندگی میں راحتوں کے لئے صرف کیا جائے، یہ بہت بڑی سعادت ہو گی، آزمائش اس لئے ہے کہ زندگی کو دنیا کے حصول کی جدوجہد میں صرف کر کے، آخرت سے بے نیاز ہوا جائے، اس طرح یہ زندگی بہت بڑے خسارہ کا باعث ہو گی۔

زندگی کی اس فیصلہ کن اہمیت کی وجہ سے ضرورت ہے کہ اس میں توازن پیدا کیا جائے، توازن سے مراد یہ ہے کہ سارا وقت اور کلی وقت دنیا کے حصول کی جدوجہد میں صرف کرنے کی بجائے وقت کی تقسیم میں توازن سے کام لیا جائے، روزگار بھی از حد ضروری ہے، اس کے بغیر زندگی کی گاڑی چلنا دشوار ہے، اس لئے روزی کے لئے وقت کا ایک حصہ صرف کئے بغیر چارہ کار نہیں، لیکن روزی کو اپنے اوپر مسلط کرنا اور ہمہ وقت اس کے لئے فکر مند ہونا، یہ نہ صرف صحیح روش نہیں ہے بلکہ بڑی نادانی کی بات ہے، روزی کی فکر کو ہمہ وقت غالب کرنے کا جو لازمی نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ دل اور ذہن میں نیکوکاری کا خانہ خالی نہیں رہتا اور دل دنیاوی جدوجہد اور اس کی کدورت سے بھر جاتا ہے، اور فرائض کی ادائیگی سے لے کر معمولی نیکی تک کرنا دشوار ہو جاتا ہے، ذہن کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں جو چیز ڈالیں گے، لاشعور سے وہی چیز برآمد ہو گی۔

روزی کی جدوجہد میں حرص وہوس سے بچنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ دل، ذہن اور جسمانی نظام کو کچھ دیر کے لئے آرام دیا جائے اور دل اور روح کی تسکین کے لئے دن بھر میں مناسب وقت نکالا جائے۔ اگر وقت کی تقسیم میں توازن کا دامن تھامنے میں ناکامی ہو گی تو اس سے ایک تو انسانی شخصیت کا داخلی نظام بُری طرح مجروح ومتاثر ہو گا یعنی شخصیت میں دنیاداری کا عنصر غالب تر ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ اعمال صالحہ کے لئے آمادگی پیدا نہ ہو سکے گی۔

دنیاوی زندگی میں ہر فرد کو تین بڑے چیلنج درپیش ہیں، پہلا چیلنج نفسی خواہشات کا ہے، نفس کی دنیا میں ہر وقت خواہشات کا تلاطم برپا رہتا ہے، ہر خواہش کے بعد دوسری خواہش ابھرتی رہتی ہے، دوسرا چیلنج شیطان کی طرف سے وسوسوں کا ہے، یہ وسوسے کبھی طاقتور صورت میں، کبھی مدھم صورت میں نفس کی خواہشات وجذبات میں ابھار پیدا کرتے رہتے ہیں، تیسرا بڑا چیلنج مادہ پرست یامادیت کے پیدا کردہ ماحول کا ہے، جس میں ہم وقت کا بیشتر گزارتے ہیں، یہ ماحول ایسا ہے جو فرد وافراد کی شخصیت پر اثرانداز ہو کر، اسے دنیا کو خوبصورت بنانے کی جدوجہد پر ابھارنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

نفس کی دنیا میں مثبت سمت میں تغیر پیدا کرنے، اسے سنوارنے اور مہذب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وقت کی تقسیم میں توازن پیدا ہو، وقت کے اس توازن سے ہی نفس میں وہ صلاحیت ابھر سکتی ہے، جس سے وہ دل اور روح کے پیغامات سن کر، ان کی معیت کی راہ اختیار کر سکتا ہے، اس طرح نفس امارہ سے لوامہ کی صورت اختیار کر کے، شیطان کے وسوسوں اور مادیت پرست ماحول کے اثرات سے بھی بڑی حد تک محفوظ ہو سکتا ہے۔

وقت کی وہ تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے، دس گھنٹے روزگار کے لئے، آٹھ گھنٹے آرام کے لئے دو گھنٹے گھر کی مصروفیات یا ہنگامی نوعیت کے کاموں کے لئے اور چار گھنٹے عبادت، ذکر وفکر اور اوراد ووظائف کے لئے۔

اگر وقت کی یہ تقسیم اختیار کی جائے تو اس سے فرد وافراد کے وہ سارے ذہنی اور نفسیاتی نوعیت کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں، جو فکری انتشار اور قلب کی بے قراری کا سبب بنتے ہیں۔

ذکر وفکر اور عبادت میں انہماک اور صالح صحبت سے دل میں وہ انوار منتقل ہوتے ہیں، جو نفس کی ظلمات اور اس کی کدورتوں اور اس کے پیدا کردہ حجابات کے قلع قمع کا ذریعہ بنتے ہیں، اس طرح فرد وافراد کی زندگی میں سکون، ٹھہراؤ، توازن اور اعمال صالحہ سے طبعی مناسبت پیدا ہونے لگتی ہے، قرآن

میں موت اور زندگی کو پیدا کرنے کا جو مقصد بتایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ **(خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا)**۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبادت اور ذکر وفکر سے دوری کی وجہ سے سستی وغفلت اور منفی عادتوں کا جو مزاج مستحکم ہو گیا ہے، اس سے جان خلاصی کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ اس کی بہتر اور مؤثر صورت یہ ہے کہ متقی، مزکی اور صالح شخصیتوں یا شخصیت کی صحبت اختیار کی جائے، اور اپنا دل ان کے حوالے کیا جائے، اس سے ان کی دل سے طاقتور شعائیں منتقل ہو کر، فرد وافراد کے لئے عبادت وذکر وفکر کو آسان بنانے میں معاون ثابت ہوں گی۔

مولوی۔ معاشرہ اور جدیدیت

مولوی معاشرہ کا وہ کردار ہے، جو زمانہ کے تیز تھپیروں سے زیر وزبر ہونے کی بجائے اپنی جگہ اٹل کھڑا ہے اور جدیدیت کے زیر اثر دنیا کو اولیت اور ترجیح دینے اور دولت اور دنیا کو ساری سرگرمیوں کا مرکز بنانے کی بجائے مذھبی نوعیت کی سرگرمیاں ہی اس کی جدوجہد کا مرکز ہیں۔

مولوی اخلاقی اقدار کا بھی پاسبان ہے، وہ معاشرہ کی بیشتر مذھبی ضروریات پوری کرنے کے باوجود معاشرہ سے اس کا کم سے کم اجورہ لینے پر اکتفا کر رہا ہے۔

نامساعد حالات کے باوجود مولوی نے ملک بھر میں بڑی بڑی جامعات قائم کی ہیں، جہاں لاکھوں طلبہ علوم دین کی تحصیل کے لئے کوشاں ہیں، اب تو مدارس میں میٹرک تک جدید تعلیم کا بھی انتظام موجود ہے۔

ہمارے حدید اعلیٰ تعلیمی اداروں میں طلبہ کو تعلیم کے لئے فیس جمع کرانی پڑتی ہے اور حب. سے کافی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے، لیکن مولوی کے قائم کردہ مدارس میں لاکھوں طلبہ کو قیام وطعام کی مفت سہولت حاصل ہے۔

مولوی کا تعلیم کو عام کرنے کا یہ کردار اتنا اہم ہے کہ اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، مولوی کے اس کردار کی وجہ سے وہ قابل صد تحسین ہے۔

مولوی کے کردار کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ وہ اگر نکاح اور نماز جنازہ پڑھانے سے اعراض کرے تو جدید طبقات کی ساری اکڑ فون ختم ہو جائے اور وہ مولوی کی منت سماجت کر کے انہیں راضی کرنے پر مجبور ہو جائیں، لیکن مولوی مذھبی نوعیت کی ان خدمات کو اپنا دینی فریضہ سمجھکر ادا کرتا ہے۔

مولوی سے جدید طبقہ، سیکولر طبقہ اور حکمران طبقہ سخت نالاں رہا ہے اور اب بھی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مولوی نے محدود دائرے میں مذھبی خدمت کے جس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے، وہ اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، نیز مولوی عالمی سرمایہ دار اور جدید تہذیب کی خرابیوں کی راہ میں رکاوٹ ہے، مولوی مغربی تہذیب کا نقاد ہے، مولوی معاشرہ میں اپنی پاکیزہ تہذیب کو

فروغ دینے کے لئے کوشاں ہے، مولوی حکومت اور سارے جدید طبقات سے بے نیاز ہو کر دین ومذھب کے محاذ پر سرگرم عمل ہے۔

عالمگیریت پوری دنیا اور ساری انسانیت کو ایک ہی ڈگر پر چلانا چاہتی ہے، وہ ڈگر دینی ومذھبی اعتقادات واقدار سے بے نیاز ہو کر دنیا ہی کو مقصود بنانے کی ڈگر ہے، جب کہ مولوی معاشرہ کو اس راہ پر جانے دینے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ہمارے سارے جدید طبقات عالمگیریت کے اس نکتہ سے پوری طرح متفق ہیں کہ ریاست، معیشت، معاشرت وغیرہ میں دین ومذھب کو شامل کرنے کی بجائے پوری اجتماعی اور ریاستی زندگی سیکولرزم کی بنیاد پر متشکل ہو، عالمگیریت کے اس مقصد کے لئے سارے طبقات ہمنوا ہو چکے ہیں، سوائے مولوی کے۔

یقینا مولوی کی وسعت فکری اور دائراتی خولوں میں بندش جیسی کمزوریوں کا دفاع نہیں کیا جا سکتا، لیکن مذھبی تعلیم کے زبردست نظام کے ذریعہ عالمگیریت کے اس مقصد کی راہ میں مزاحم ہونا، مولوی کا سب سے اہم کردار ہے، جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔

مولوی کے اثرات کے توڑ کے لئے جو پروگرام پیش نظر ہے، وہ یہ ہے کہ یکساں تعلیمی نظام کے ذریعہ مولوی پر ضرب کاری لگائی جائے۔

یکساں تعلیمی نظام دراصل خالص دینی تعلیم پر جدیدیت اور جدید تہذیب کے اثرات کو غالب کرنا ہے، پوری دنیا میں جدید تعلیم جس قسم کے انسان فراہم کر کے، قوموں وملکوں کو دے چکی ہے، وہ مادہ پرست انسان ہی ہیں، جدید تعلیم اور مادہ پرستی ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہے، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، یہ تعلیم جہاں بھی آتی ہے، وہاں وہ سیکولر ذہنیت اور سیکولر مزاج اپنے ساتھ ضرور لاتی ہے، سبب یہ ہے کہ جدید تعلیم کے پس پردہ مادی نظریات اور مادی تہذیب کی روح شامل ہے، جسے اس تعلیمی نظام سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا۔

یکساں نظام تعلیم کی وجہ سے یقینا مولوی کے لئے اور خود معاشرہ کی ٹوٹی پھوٹی مذھبی ودینی حیثیت کے لئے خطرات پیدا ہو چکے ہیں، لیکن انشاء اللہ مولوی کے اخلاص، اس کی ثابت قدمی،

استقامت اور مشترکہ حکمت عملی کے نتیجہ میں انشاءاللہ ان کے مشکل دن بھی ختم ہو جائیں گے اور اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل ہو گی۔

ہماری نظر میں مولوی کی جو داخلی کمزوری ان کے لئے مشکلات کا باعث بن رہی ہے، وہ مدارس میں جدید مادی نظریات اور اسلام کے تقابلی مطالعہ کی کمی ہے، جس کی وجہ سے ان میں جدیدیت کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو پاتی، اس کمی کو مدارس میں جدیدیت اور اسلامیت کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل کتابوں کی نصاب میں شمولیت سے پورا کیا جا سکتا ہے۔

سیاست سے وابستہ مولوی کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ سیاست میں حریف بننے کی بجائے داعی کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور حکمرانوں کی اصلاح کے لئے دلسوزی کے ساتھ حکیمانہ راہ اختیار کرے، اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے دور میں جو حکمت عملی اختیار کی، وہ نہایت کامیاب حکمت عملی تھی، جس سے برصغیر ہند میں سیاسی محاذ پر اسلام کو برتری حاصل ہوئی اور برصغیر ہند کی ملت اسلامیہ ہندی تہذیب میں ضم ہونے سے بچ گئی، محاذ آرائی کی سیاست ایسی جو دشمنی کی دیوار حائل کر دیتی ہے، اس سے سیاسی اور ریاستی سطح پر فروغ اسلام کے بجائے ٹکراؤ اور تصادم پیدا ہوتا ہے، اس تصادم سے سوائے اس کے کہ ملک وملت کی کشتی زیر وزبر ہو، اور کوئی فائدہ نہیں۔

اللہ کی راہ محبت کی خصوصیات

اور اس کے نشیب وفراز

اللہ کی محبت جو انسانی فطرت کا سب سے ناگزیر تقاضا ہے، اس محبت کی راہ میں نفسی قوتیں، مادی قوتیں اور شیطانی قوتیں شدید حائل ہیں، لیکن چونکہ انسان کی انسانیت، بندہ کا احساس عبدیت اور ایمان کے ارتقا کا سارا انحصار راہ محبت میں چلتے رہنے سے وابستہ ہے، اس لئے استقامت سے راہ محبت میں چلے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے۔

محبت کی راہ ایک اعتبار سے حلاوت سے سرشار ہے، اس لئے کہ محبوب حقیقی کے انوار حسن کا مشاہدہ راہ محبت میں چلتے رہنے کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے، جوں جوں فرد راہ محبت کا سفر طے کرتا رہتا ہے، اسی حساب سے محبوب کے انوار حسن کے مشاہدہ کی حالت میں بہتری اور ارتقا ہوتی رہتی ہے ایک وقت آتا ہے کہ اس مشاہدہ کی حالت اتنی بہتر اور حسین محسوس ہونے لگتی ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں اس مشاہدہ حسن کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔

راہ محبت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے اخلاق حسنہ کا صدور وظہور ہونے لگتا ہے، یعنی فرد سے اخلاق حسنہ کا از خود مظاہرہ ہونے لگتا ہے اور کسی بھی فرد کو اذیت دیتے ہوئے اس کا دل رنج اور غم سے بھر جاتا ہے، انسانوں کی دنیا وآخرت بنانے کے لئے وہ حریصانہ حد تک بے چین ہو جاتا ہے، اس کا دل چاہتا ہے کہ اگر اس کے بس میں ہو تو سارے انسانوں کو اللہ کی محبت کی راہ پر لگا کر، انہیں بے پناہ حلاوت سے آشنا کیا جائے، اور سب کو دنیا وآخرت کی فوز وفلاح سے بہرہ ور کیا جائے۔

اللہ کی محبت کی دوسری بڑی خصوصیت (جسے دراصل پہلی خصوصیت شمار کرنا چاہیے) وہ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے میں چستی کا مظاہرہ کرنا ہے، اللہ کی محبت میں چلتے رہنے کے نتیجہ میں

جب اللہ کی جلالی صفت کے مسلسل عکسوں کے ذریعہ نفسی قوت آخری حد تک پامال اور فنا ہوتی ہے تو اسلامی شریعت پر استقامت سے چلنے کی راہ میں نفس کی پیدا کردہ رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ نفس کی الوہیت پاش پاش ہو جاتی ہے، اس طرح اسلامی شریعت پر نہ صرف چلنے کا راستہ صاف ہو جاتا ہے، بلکہ اسلامی شریعت محبوب تر ہو جاتی ہے اور فرد پر یہ راز فاش ہونے لگتا ہے کہ اسلام کی ہر تعلیم حکمت سے بھرپور ہے اور ساری اسلامی تعلیمات افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے کے لئے ہیں۔

اللہ کی محبت کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ اور بندہ کے درمیاں دوئی، دورنگی، اور دوری ختم ہو کر قربت کا رشتہ قائم ہونے لگتا ہے، اور اس رشتہ میں اضافہ پر اضافہ ہونے لگتا ہے، نیز اللہ کی ذات سے بندہ کی بے پناہ امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ اسے آخرت میں رسوائی سے بچائے گا، مثلاً یہ کہ وہ اسے آخرت میں اپنے دیدار کا شرف بخشیگا، وغیرہ وغیرہ۔

اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرنے کی اس طرح کی بہت ساری خصوصیات ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

لیکن راہ محبت کا سفر آسان نہیں، بلکہ وہ مشقتوں سے بھرا ہوا ہے۔

ذیل میں راہ محبت کی چند مشکلات اور دشواریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) قدم قدم پر نفسی قوتوں کی طرف سے مخالفت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) کیفیات اور باطنی حالات میں تغیر و تبدل کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) عرصہ تک قبض و بسط یعنی بے چینی و بے قراری اور خوشی کے ادلتے بدلتے حالات سے گذرنا پڑتا ہے، بعض اوقات تنکہ لگتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس پر پہاڑ گر پڑا ہے اور بسط یعنی خوشی کے لمحات کے وقت اگر پہاڑ بھی گر پڑے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا تنکہ لگا ہے۔

(۴) طالب محبوب کے فراق کے غم میں گھلتا رہتا ہے اور محبوب سے وصال کے لئے اس کی بے تابی انتہائی قابل رحم ہوتی ہے۔

(۵) طالب چاہتا ہے کہ اس کا راہ محبت کا سفر جلد سے جلد اختتام پذیر ہو، تاکہ اس کی کیفیات اور ایمانی حالت میں ٹھہراؤ پیدا ہو، لیکن نفس کا وسیع جنگل جب تک درندوں سے پوری طرح خالی نہیں ہوتا، تب تک طالب کو انگاروں پر لیٹنے والی حالت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

(۶) دولت اور دنیا کے بارے میں اس کی طبیعت میں سرد مہری پیدا ہونے لگتی ہے، اور زہد اور فقر سے طبعی میلان پیدا ہونے لگتا ہے۔

(۷) طالب کو نفس کی مکر و فریب کی ایسی ایسی واردات سے واسطہ پڑتا ہے کہ وہ سراپا حیرت زدہ ہو جاتا ہے نیز وہ مولانا رومی کے اس نکتہ سے سو فیصد متفق ہوتا ہے کہ ہر شخص کا نفس فرعون بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، مگر اقتدار، اختیار اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کا مظاہرہ سے قاصر ہوتا ہے۔

(۸) راہ محبت میں چلتے ہوئے طالب محسوس کرتا ہے کہ جونہی نفسی اور مادی قوتیں اس پر حملہ آور ہو کر اسے گرا دیتی ہیں تو معاً بعد اسے اٹھا کر از سر نو راہ محبت میں چلایا جاتا ہے، گرنے اور پھر اٹھکر چلتے رہنے کا یہ عمل عرصہ تک جاری رہتا ہے۔

اللہ کی محبت کو ایک شعلہ قرار دینا شاید بے جا نہ ہو، یہ شعلہ کثرت ذکر سے جب دل میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے تو دل روشن سے روشن تر ہونے لگتا ہے، جب تک دل کے سارے حصے اس شعلہ سے روشن نہ ہو جائیں، تب تک طالب کا سفر تیز رفتاری سے جاری رہتا ہے، جب دل منور ہو کر نفس کی یرغمالی سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس کے بعد طالب کا کام بن جاتا ہے، اور وہ عبدیت کے آداب سے آشنا ہو کر اپنے لئے اسلامی شریعت کو دستور العمل بنانے اور نفس کو بڑی حد تک سنوارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اللہ کی جو محبت نفسی اور مادی قوتوں کو اللہ ورسول کے تابع بنانے کا ذریعہ ہو، جو محبت اسلامی شریعت پر صدق دلی اور استقامت سے چلنے اور اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پر مداومت کے ساتھ چلنے کا ذریعہ ہو، آج اللہ کی اس محبت کے بارے میں ہر طرف سے اشکالات کا سلسلہ جاری ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے، صاف صاف شریعت کی بات کے جائے، یہ کافی ہے، حالانکہ قرآن نے یہ حقیقت واضح فرمادی ہے کہ مومن اللہ سے شدید (والہانہ) محبت رکھتے ہیں۔**(والذین آمنوا اشد حب للہ)**

سلیقہ انسانیت کا بحران

بچاؤ کی صورت

موجودہ مادیت پرستی کے غلبہ کے دور میں لگ بھگ ہر شخص جن احساسات کے ساتھ جیتا ہے، وہ بڑے منفی احساسات ہیں، ان میں سے کچھ احساسات یہ ہیں۔

- مجھے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل ہو۔
- معاشرہ میں مجھے عزت و تکریم حاصل ہو۔
- مجھے شہرت حاصل ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ مجھے پہنچائیں۔
- دوست واحباب میں مجھے نمایاں مقام حاصل ہو اور میرے کردہ یا ناکردہ کاموں کی تعریف ہو۔
- دوستوں کی محفل میں مجھے ہی زیادہ سے زیادہ گفتگو کا موقعہ ملتا رہے، تاکہ دوستوں پر میری ذہانت اور دانشوری کا رعب جمارہے۔
- دوست مجھ سے اختلاف رائے کرنے یا میری باتوں کی رد کرنے یا میری خامیوں کی نشاندہی کرنے کی بجائے مجھے داد دیتے رہیں۔
- افراد معاشرہ میں میری برتری قائم ہو۔

یہ ایسے احساسات ہیں، جو لگ بھگ ہر ذہین فرد کے باطن کا حصہ ہیں، عام طور پر فرد کی زندگی انہی احساسات کے تحت ہی گزرتی ہے، تزکیہ نفس جسے قرآن فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (بھیجنے) کا ایک مقصد تزکیہ بیان فرمایا گیا ہے۔

تزکیہ کی ضرورت اس لئے ہے، تاکہ فرد وافراد، اللہ کی زمین پر اللہ کے عاجز اور اس کے وفادار بندہ کی حیثیت سے زندگی گزارنے میں کامیاب ہوں، تزکیہ کی ضرورت اس لئے بھی ہے، تاکہ انسانی معاشرہ انسانوں کی انانیتوں سے ٹکرا کر فساد سے دوچار نہ ہو۔

تزکیہ، فرد اور افراد کو مہذب اور شائستہ انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا اہل بناتا ہے، تزکیہ، دولت عزت و تکریم اور شہرت اور خود نمائی کے جذبات واحساسات میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔

تزکیہ کے لئے ہونے والے مجاہدوں (کوششوں) سے فرد کی شخصیت میں جوہر ابھر کر، اس کی شخصیت میں نکھار، وقار اور شائستگی پیدا کر دیتے ہیں، تزکیہ کا حامل فرد اپنے دوست احباب، عزیز واقارب سب کے لئے باعث خیر و برکت ثابت ہوتا ہے۔

تزکیہ نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں وہ ساری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جس سے معاشرہ ہر سطح پر تصادم کا شکار ہوتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں فساد سرایت کرنے لگتا ہے، نیز معاشرہ میں سلیقہ انسانیت کا بحران سنگین صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

تزکیہ کے فقدان کی وجہ سے فرد کی داخلی شخصیت اور معاشرہ میں شدید بحران پیدا ہوتا ہے، یہ بحران فرد کی شخصیت اور معاشرہ میں زہر سرایت کرنے کا موجب بنتا ہے۔

تزکیہ سے دوری اور اس سے محرومی کی ایک سزا تو دنیا میں ملتی ہے کہ معاشرہ کی کوئی کل درست نہیں ہوتی۔ ہر طرف بحران ہی بحران ہوتا ہے، اس کی دوسری سب سے بڑی سزا آخرت میں ملے گی، جو اللہ کے سخت عتاب کی صورت میں ہوگی، سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔

فرد اور اس کے دل کے درمیاں

اللہ کے حائل ہونے کی سزا

اور اس سے بچاؤ کی صورت

قرآن میں ہے **ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ** (بے شک فرد اور اس کے قلب کے درمیاں اللہ حائل ہو جاتا ہے)۔

یہ آیت دل کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، دل، دراصل اللہ کی محبت کا مرکز ہے، دل مفتی ہے، جو نیک اور بد ہر عمل کے بارے میں فتویٰ دینے لگتا ہے، دل اللہ کی معرفت کا خزینہ ہے، دل حکمت اور فہم اور فراست کا ذریعہ ہے۔ اللہ کی محبت کا ارتقائی سفر بھی دل ہی کے ذریعہ طے ہوتا ہے۔

دل کی یہ حیثیت ایسی ہے، جو اسے ساری انسانی شخصیت میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے، جب اس دل اور انسان کے درمیاں اللہ حائل ہو جائے تو پھر انسانی شخصیت بے روح ڈھانچہ سے عبارت ہو جاتی ہے اور نیکی کو قبول کرنے کی فرد کی صلاحیت برباد ہو جاتی ہے اور فرد پر نفسی، مادی اور شیطانی قوتیں حاوی ہو جاتی ہیں۔

اللہ تو رحیم و کریم ذات ہے، انسان پر سب سے زیادہ شفیق ہے، وہ ہستی تو چاہتی ہے کہ انسان مجھ سے محبت کے ایسے رشتہ میں منسلک ہو کہ میرے اور اس کے درمیاں سارے حجابات دور ہو جائیں، لیکن فرد جب ایک بار اللہ کی ذات سے دوری اختیار کرتا ہے، اس کے احکامات بجالانے میں سستی اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے، نفس پرستی اور مادیت پرستی کی قوتوں کے زیر اثر اللہ کی اطاعت سے اعراض (دوری) کی راہ اختیار کرنے لگتا ہے تو اللہ کا قانون حرکت میں آنے لگتا ہے اور اللہ اور بندہ کے دل کے درمیاں فاصلے بڑھنے لگتے ہیں۔

اگر فرد نے اللہ سے دوری کے ابتدائی اور درمیانی مرحلہ میں سنبھل کر رجوع اختیار کر لیا اور اللہ کی طرف دوڑنے کی راہ اختیار کر لی، اور اس کی عبادت واطاعت میں چستی اور ذوق وشوق کا مظاہرہ

کیا تو اللہ کی طرف سے پیدا کردہ حجابات دور کر دیئے جاتے ہیں اور بندہ کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ اللہ سے قربت کے مقامات طے کرنے کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے، لیکن اگر بندہ نے اللہ سے دوری کی ساری حدود پھلانگ دی، قیمتی وقت کو نفس پرستی کی قوتوں کی نذر کیا تو اس کے نتیجہ میں دل سیاہ تر ہو جاتا ہے اور اس میں نیکی کو قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اس حالت کو انسان اور اللہ کے درمیان حائل ہونے سے عبارت فرمایا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ دل شروع میں اللہ محبوب کے لئے وارفتہ ہوتا ہے، اس وقت دل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے نہ صرف آمادہ ہوتا ہے، بلکہ دل میں اس کی کشش پیدا ہوتی ہے، یہ کشش فطرت سلیمہ کا لازمی حصہ ہوتی ہے، لیکن فاسد اور غلط ماحول کی وجہ سے دل کی فطرت سلیمہ کے پیغامات کو اخذ کرنے (حاصل کرنے) کی صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے، جو بالآخر فنا ہو جاتی ہے۔

دنیا میں اللہ کی طرف سے انسان کے لئے اس سے بڑھکر کوئی سزا اور عتاب نہیں ہے کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیاں حائل ہو جائے۔

اس سزا اور عتاب کے جو اثرات و نتائج دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) فرد مادیت کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور اس سے نکلنے کی صورتیں بند ہو جاتی ہیں۔

(۲) اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت کا علم ہونے کے باوجود اعمال صالحہ کی صلاحیت چھن جاتی ہے۔

(۳) نیکیوں کے سلسلہ میں غفلت اور سستی غالب ہو جاتی ہے۔

(۴) بُرائی اور بڑے اعمال اسے خوبصورت کر کے دکھائی دینے لگتے ہیں، حب مال، حب جاہ حرص وہوس، حسد و جلن، دوسروں کی تحقیر اور خود نمائی جیسی بُرائیاں اس کے مزاج کا حصہ ہونے لگتی ہیں، دنیا کی فکر اس پر مسلط کر دی جاتی ہے اور حرص وہوس کے اس کے بت مستحکم کر دیئے جاتے ہیں۔

اگرچہ اللہ کی طرف سے انسان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ زندگی کے جس موڑ پر بھی اپنے اعمال بد سے باز آنا چاہے اور توبہ اور رجوع الی اللہ کی رہ اختیار کرے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، لیکن عام

طور پر نفس پرستی اور مادیت پرستی کی قوتوں کے غلبہ اور خراب عادتوں کے استحکام اور بُرے اعمال کی زنجیروں کو توڑ کر، اللہ پرستی کی راہ اختیار کرنا اور دل کو اللہ سے قریب کرنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔

•اس ساری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ فطرت سلیمہ کی حفاظت کی جائے، کسی بھی نیکی پر عمل کرنے میں سستی اور غفلت سے ہر صورت میں بچا جائے۔

• مادہ پرست یا نفس پرست افراد کی صحبت و قربت سے اس طرح بچا جائے، جس طرح شیر کے قریب ہونے سے بچا جاتا ہے۔

•دولت اور دنیا میں بہت زیادہ مصروفیت سے احتراز کیا جائے۔

•صالح افراد کی صحبت کو معمول بنایا جائے۔

یہ چیزیں ایسی ہیں جس سے فرد اور دل کے درمیاں اللہ کے حائل ہونے کی سخت سزا سے بچا جا سکتا ہے۔

اللہ کے لئے جینااوراس کے لئے مرنا

بندہ مؤمن کادستورالعمل ہونا

بندہ مومن کادستورالعمل اللہ کے لئے جینااوراللہ کے لئے مرناہوتاہے، یہ دستورالعمل اس کی ساری زندگی اور زندگی کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے، لیکن اللہ نے انسان کی آزمائش کی خاطر اس میں نفس کے دَیو کی صورت میں ایسی قوت رکھی ہے، جو سودیوں پر بھاری ہے، یعنی سودیوں میں جو طاقت ہوتی ہے، ایک نفس میں وہ طاقت موجود ہے، بلکہ اس سے زیادہ، اس لئے کہ نفس اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کی راہ میں سخت مزاحم ہوتا ہے، نفس اللہ کی بجائے اپنی پرستش چاہتا ہے، یااللہ کی پرستش میں بھی وہ اپنا حصہ رکھنا چاہتا ہے، ریاء دکھاوہ اوراپنی برتری وغیرہ کی صورت میں۔

نفس کی پرستش دراصل خواہشات کی پوجااوراس کی اتباع کی صورت میں ہوتی ہے۔

نفس کی قوتیں اور نفس کی خواہشات قدم قدم پر اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں، رکاوٹ ہی نہیں، بلکہ شدید حائل ہیں، نفس زیادہ سے زیادہ آسائش کا سامان چاہتاہے، نفس زیادہ سے زیادہ دولت اور مال وملکیت چاہتاہے، نفس ہر صورت میں بڑابننا چاہتاہے، نفس حرص وہوس کے جذبات کی تسکین چاہتاہے، نفس اپنی نام وری چاہتاہے، نفس اپنی شخصیت کو ہر صورت میں اوپر رکھنا چاہتاہے یااسے چمکانا چاہتاہے، نفس زیادہ باتیں کرکے، زبان کا چٹخارہ چاہتا ہے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جواللہ کے لئے جینے اوراللہ کے لئے مرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

قرآن میں بندہ مومن کا دستور العمل ہی اللہ کے لئے جینااور اللہ کے لئے مرنا قرار دیا گیا ہے **قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین** (کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے)۔

اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کا مقصد بندہ مؤمن کو سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز و محور یہی ہوتا ہے، اس مقصد کے لئے بندہ مؤمن سب سے پہلے

نفسی قوت کو پاش پاش کرنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، جب تک نفس کی شہ زوری ختم نہیں ہوتی، وہ مہذب نہیں ہوتا، سنورتا نہیں، تب تک وہ کثرت ذکر وفکر کے ذریعہ نفس کے خلاف معرکہ آرائی میں مصروف ہوتا ہے، جب نفس کی مزاحمت میں غیر معمولی طور پر کمی واقع ہوتی ہے تو اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کی راہ میں حائل نفس کے دیو کی رکاوٹ باقی نہیں رہتی، یعنی نفس اب آسانی سے قابو میں آنے لگتا ہے۔

بے قابو نفس کو قابو کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ نافع ہوتی ہے، وہ ذکر وفکر کے ساتھ اللہ کے جلالی صفت کا عکس ہوتی ہے، اور اللہ کے شان جلال کی شعائیں ہوتی ہیں، جو وقتاً فوقتاً طالب کے دل اوراس کی شخصیت پر گرتی رہتی ہیں، جس سے نفس کی دنیا میں تہلکہ برپا رہتا ہے، اور فرد اذیت کے تیروں سے چھلنی ہوتا رہتا ہے، فرد کی اصلاح کے لئے محبوب حقیقی کی طرف سے اس پر عرصہ تک اس کی جلالی تجلیات کا ورود جاری رہتا ہے، جس سے نفس کی دنیا میں ماتم برپا ہوتا رہتا ہے، ذکر کے ساتھ انہی جلالی تجلیات سے نفس کی دنیا میں انقلاب برپا ہوتا ہے، بالآخر وہ اللہ کا مطیع بن جاتا ہے کہ اس کا جینااوراس کا مرنا خالص اللہ کے لئے ہونے لگتا ہے، یہ اللہ کے نیک، متقی اور صالح تر بندوں کی حالت ہوتی ہے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے متقی لوگوں کی صحبت کی برکت سے پاکیزہ زندگی عطا فرمائے۔

جدید اسلامی فکر پر
ایک نظر

بیسویں صدی میں بعض اسلامی فاضلوں اور مفکروں کی طرف سے پیش کردہ اسلامی فکر کے نتیجہ میں جدید طبقات میں کافی شعور اور بیداری پیدا ہوئی اور خدمت اسلام اور غلبہ اسلام کے محاذ پر کافی کام ہوا اور سماجی نوعیت کے خدمت کے کاموں کے لئے بھی تحرک پیدا ہوا، صحافت اور میڈیا کے ذریعہ لادین صحافت اور میڈیا کا ایک حد تک مقابلہ بھی ہوا اور دین کا درد اور اس کی فکر بھی پیدا ہوئی، لیکن ان سارے کاموں کے باوجود معاشرہ میں فیصلہ کن تبدیلی پیدا نہ ہو سکی اور جدید دینی طبقات کی صفوں میں کافی ٹوٹ پھوٹ پیدا ہوئی اور کارکنوں کی ایک دوسرے سے محبت کی فضا بھی پیدا نہ ہو سکی۔

اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خدمت دین اور غلبہ اسلام کے کام سے بھی زیادہ اہمیت اور اولیت کا کام تزکیہ نفس، (نفس کو سنوارنے اور پاکیزہ بنانے کا کام ہے) جسے جدید اسلامی فکر نے قابل ذکر اہمیت نہیں دی اور یہ نکتہ پیش کیا کہ تزکیہ، خدمت دین اور غلبہ دین کے کام سے از خود پیدا ہوتا جائے گا، اس کے لئے الگ سے مجاہدوں اور غیر معمولی تربیتی نظام اور مربی ومزکی شخصیتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ نکتہ نگاہ ایسا تھا، جس نے عقل اور عقلیت کو تو تیز کیا، لیکن دل کی صلاحیتوں کو مضمحل کیا اور روح، روحانیت اور پاکیزہ اخلاقی اوصاف کی استعداد کمزور ہوئی۔

تزکیہ اہمیت ومعرفت، ایمان ویقین کی قوت، روحانیت، اور نفس کا طاغوت وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کا فہم وادراک عام طور پر علم ومطالعہ، ذہانت اور مشاہدہ سے نہیں ہوتا، بلکہ امت کا تسلسل یہ ہے کہ تزکیہ، اہل تزکیہ کی عرصہ تک صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے، دل کی صلاحیتیں صاحبان دل کو اپنا دل دینے کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں، اخلاق رزیلہ سے نجات، روحانی نوعیت کے مجاہدوں سے ہی حاصل ہوتی ہے، اللہ سے محبت اور اللہ کی مخلوق سے محبت اہل محبت کی صحبت ہی

سے پیدا ہوتی ہے، تقویٰ، خشیت، نفس مطمئنہ، شرح صدر اور قلب سلیم جیسی نعمتوں کا تعلق کتابی علم اور عقلیت سے نہیں، بلکہ صاحبان تقویٰ اور شرح صدر کے حامل افراد کی صحبت سے ہی یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہے، امت کا یہی تسلسل ہے اور امت اپنی ساری تاریخ میں اسی تسلسل پر قائم رہی ہے۔

یقینا کتاب وسنت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، وہی ہمارے لئے دستور العمل ہے، لیکن کتاب وسنت، افراد پر صبغۃ اللہ کے جس رنگ کو غالب کرنا چاہتی ہیں اور افراد کے قلب کو جس نور سے منور کرکے، دل کو اللہ کی محبت سے بھرنا چاہتی ہیں، کتاب وسنت افراد کو جس پاکیزہ اخلاقی قوت کا حامل بنانا چاہتی ہیں، چیزیں یقینا دین کی خدمت ملت کی تعمیر اور غلبہ دین کا کام غیر معمولی اہمیت کا کام ہے، لیکن سلف صالحین کی پیش کردہ دینی ترتیب کے اعتبار سے یہ کام دوسرے اور تیسرے نمبر کا ہے، سب سے پہلا کام تزکیہ کا ہے، نیز دل کو اللہ کی محبت، تقویٰ خشیت سے بھرنے کا کام ہے۔

اگر یہ کام نہیں ہے تو دین خدمت اور غلبہ دین کے کام میں نہ صرف یہ کہ برکت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس طرح کی اجتماعی جدوجہد کارکنوں کو باہمی ٹکراؤ اور ایک دوسرے سے کھیچاتانی سے نہیں بچا سکتی اور بلند کرداری کا پیدا ہونا تو از حد دشوار ہے۔

نفس کو سنوارنے کی ضرورت

وقت کی قدر کرنا سیکھئے

وقت بہت بڑا سرمایہ اور پونجی ہے، اس پونجی سے ہی آخرت کی ابدالا باد والی زندگی میں راحت کے سامان کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اس پونجی کو لایعنی اور غیر ضروری کاموں میں ضایع کرنے سے دنیا میں قلبی سکون کی بربادی کی صورت پیدا ہوتی ہے تو آخرت میں شدید رسوائی کی صورت۔

حدیث شریف ہے کہ بندہ کی فضول کاموں میں مصروفیت اللہ سے روگردانی کی علامت ہے اور اس بات کی بھی کہ اللہ نے اس سے نظر التفات (توجہ) پھیر لی ہے۔

ہمارے وقت کا ایک بڑا حصہ نیند اور آرام میں چلا جاتا ہے، وقت کا دوسرا بڑا حصہ روزگار کی جدوجہد اور گھریلو کام کاج میں صرف ہوتا ہے، وقت کا تیسرا حصہ موبائل اور ٹی وی وغیرہ کے پروگراموں میں صرف ہوتا ہے، جو تھوڑا بہت وقت بچتا ہے، وہ رسمی عبادت میں خرچ ہوتا ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت رسمی نوعیت کی عبادت کے لئے بھی وقت نکالنے سے قاصر اور محروم ہوتی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وقت کا قابل ذکر حصہ تزکیہ (نفس کی پاکیزگی اور اسے سنوارنے) کے کام میں خرچ ہونا ناگزیر ہے، اس لئے کہ تزکیہ کے بغیر ہر فرد کے باطن میں فساد کے غیر معمولی جراثیم طاقتور صورت میں موجود ہوتے ہیں، جن کا مظاہرہ مزاج کے خلاف ہونے والی باتوں اور مفادات پر ضرب لگنے کے وقت شدت کے ساتھ ہوتا ہے، فساد کے یہ جراثیم بداخلاقی، ٹکراؤ، انتشار اور اور افراد معاشرہ میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

تزکیہ کے کام کو اہمیت نہ دینے کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ وولت کی ہڈیوں پر لڑنے اور مفادات کی ہولناک جنگ کا منظر پیش کر رہا ہے، لگ بھگ ہر فرد، شخصیت پرستی کے ساتھ ساتھ مفادات کا اسیر بن گیا ہے، نیز حرص وہوس کی نہ ختم ہونے والی دوڑ ہے، جو آج قوموں اور انسانیت کی سطح پر ہولناک صورت میں جاری ہے، اہل علم یا ہو یا اہل دانش، اہل سیاست ہو یا ذہین فرد، لگ بھگ ہر فرد حرص وہوس کی اس دوڑ میں شریک ہے اور نہ صرف وہ اس دوڑ میں شریک ہے، بلکہ وہ

اسے کامیابی کا زینہ سمجھتا ہے، افراد معاشرہ کی اس حالت زار کا بنیادی سبب تزکیہ (یعنی نفس کو پاکیزہ بنانے اور اسے سنوارنے کے کام) سے دوری ہی ہے، بلکہ افراد کی بڑی تعداد نفسانیت کی دلدل میں اس قدر مبتلا ہو گئی ہے کہ اسے یہ تک پتہ نہیں ہے کہ تزکیہ بھی کوئی کام ہے، جس کے لئے وقت نکالنا چاہئے۔

وقت کی پونجی کو صرف مادیت، نفسانیت اور مادی سرگرمیوں میں صرف کرنا، ایک تو اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کو برباد کرنا اور انسانی معاشرہ کو فساد سے دوچار کرنا ہے، دوم یہ کہ آخرت کی دائمی زندگی میں رسوائی سے دوچار ہونا ہے اور اللہ کے شدید عتاب سے بھی، یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے نظام تعلیم اور تربیت اور ہمارے علوم میں نفس کو سنوارنے اور اسے مہذب بنانے کا خانہ بالکل خالی ہے، اس لئے تعلیمی اداروں سے فارغ ہونے والے افراد کو یہ ادراک ہی نہیں ہوتا کہ نفس کو مہذب بنانے اور سنوارنے کا کام بھی ایسا ہے، جو غیر معمولی اہمیت کا کام ہے اور اس کے لئے وقت نکال کر مجاہدوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اگرچہ لوگوں کے پاس وقت بھی ہوتا ہے، لیکن اس کام کے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہونے کا علم، ادراک اور شعور نہ ہونے کی وجہ سے افراد تزکیہ کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یقینا آرام بھی ضروری ہے، روزی کے لئے جدوجہد بھی ناگزیر ہے، علم کی تحصیل بھی ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نفس کو مہذب بنانے اور اسے سنوارنے کے لئے مجاہدوں (کوششوں) کی بھی سخت ضرورت ہے، بلکہ نفس کے سنوارنے کے کام کو دوسرے سارے کاموں سے زیادہ اہمیت اور اولیت دینی چاہئے، اس لئے کہ نفس سنورے گا، اور وہ مہذب ہو گا تو اخلاق اچھے ہوں گے اور دنیا کے معاملات میں اللہ کی برکت کا نظام شامل ہو جائے گا، اللہ کی مخلوق سے محبت پیدا ہو گی، نیز روزی میں برکت ہو گی، سب سے بڑی بات یہ کہ آخرت میں اللہ کے عتاب اور اس کی سزا سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی۔

کردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا کرنے کے لئے نفس سے معرکہ آرائی کی ضرورت

کیا آپ سکون قلبی چاہتے ہیں؟ کیا آپ اپنے اہل وعیال، عزیز واقارب اور دوست احباب کے لئے باعث خیر بننا چاہتے ہیں؟ کیا آپ حسد وجلن کی نفسیات سے بچنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ دوسروں کی تحقیر کرنے سے بلند ہونا چاہتے ہیں؟ کیا آپ تھوڑی روزی پر راضی ہو کر، اس روزی کو برکت کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ صبر وشکر کی نفسیات کا حامل ہونا چاہتے ہیں؟ کیا آپ اپنی ذات سے دوسروں کو ہر طرح کی اذیت سے بچانا چاہتے ہیں؟

یقیناً آپ یہ اور اس طرح کی ساری خوبیاں چاہتے ہیں، اگر آپ اپنی اس چاہت میں اٹل اور مخلص ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ روزانہ کی بنیادوں پر ذکر وفکر کے ذریعہ نفس کے خلاف جنگ کا عمل شروع کردیں، جب تک نفس کی قوت انسانی شخصیت پر غالب اور حاوی ہے، تب تک فرد میں مذکورہ خوبیاں اور صفات پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ نفس ظلمات سے بھرا ہوا ہے، نفس اپنی یہ ساری ظلمات دل کی طرف منتقل کرکے، دل کو سیاہ اور سخت تر بنادیتا ہے، اس صورت میں دل سے جو اعمال صادر (ظاہر) ہوتے ہیں، وہ منفی نوعیت کے اعمال ہوتے ہیں، نیز نفس کا یرغمال شدہ دل بدکرداری ہی کو جنم دیتا ہے، اور یہی بدکاری ہے، جو معاشرہ کو فساد سے بھر دیتی ہے۔

ذکر وفکر کے ذریعہ نفس کے خلاف جنگ جوئی کے بغیر آپ لاکھ چاہیں کہ آپ سکون قلبی سے بہرہ ور ہوں اور آپ کی شخصیت میں مذکورہ اوصاف پیدا ہوں اور نیکوکاری آپ کے مزاج کا حصہ بن جائے، ممکن نہیں، اس لئے کہ نفسی قوتیں شیطنت اور فرعونیت ہی کو جنم دیتی ہیں۔

نفس اپنی جھوٹی شان مان چاہتا ہے، جب کہ دل احساس عبدیت سے سرشار ہونا چاہتا ہے، نفس اپنی بڑائی اور زیادہ سے زیادہ دولت چاہتا ہے، جب کہ دل اللہ کی محبت سے لبریز ہونا چاہتا ہے۔

نفس اور دل ہر معاملہ میں ایک دوسرے سے جداگانہ اور مختلف ہیں، نفس اور دل دونوں کو بیک وقت ساتھ چلانا یعنی کچھ نفس کی خواہشوں کی پیروی ہو اور کچھ دل کی، ایسا ہونا صحیح نہیں، اس سے نہ تو قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوگی اور نہ ہی اللہ کی رضامندی۔ کردار میں بلندی اور پاکیزگی پیدا کرنے کے لئے نفس کو مطیع کرکے اللہ اور اس کے رسول کے تابع کرنا از حد ضروری ہے۔

نفسی قوتوں کے غلبہ کی صورت میں کوئی بھی نیکی صحیح معنیٰ میں نیکی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس میں نفس کی آمیزش (ملاوٹ) شامل ہوتی ہے، نفس اللہ کے برخلاف خود الوھیت کا دعویدار ہے، مال ودولت اور اختیار واقتدار اس کی الوہیت کو مزید سنگیں بنادیتے ہیں، جب تک ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ نفس کی قوتوں پر دل کی جوہری قوتوں کو غالب نہیں بنایا جاتا، تب تک کام نہیں بنتا، سکون قلبی حاصل نہیں ہوسکتا اور کردار میں بھی پاکیزگی اور بلندی پیدا نہیں ہوسکتی۔

یہ ساری چیزیں متقی، مربی اور مزکی شخصیتوں کی صحبتِ مسلسل سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

جدید مفکروں اور فاضلوں کی ساری ذہنی تربیت چونکہ کتابی علم، مطالعہ ومشاہدہ اور جدید سیکولر علم کے زیر اثر ہوئی، جس میں محبت، معرفت، تزکیہ، روحانی پاکیزگی، دل کی صلاحیتوں اور ان کی بیداری جیسے دین کے فیصلہ کن کاموں کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے جدید اسلامی فکر تزکیہ، محبت ومعرفت اور دل کی صلاحیتوں کی بیداری سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ وہ خدمت دین اور غلبہ دین کے کاموں سے شروع ہوتا ہے اور اس پر ہی اختتام پذیر ہوتا ہے، انسانی نفس کی ایک بڑی ''کرم فرمائی'' یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت دل اور ذہن کی طرف اپنے پیغامات، خواہشات اور مادیت کے حوالے سے بھیجتا رہتا ہے، اگر دل میں ذکر کا کچھ ذخیرہ ہوگا تو خواہشات پر مبنی اس کے ان پیغامات کو دل مسترد کرتا ہے، دوسری صورت میں یعنی ذکر کے معمولات نہ ہونے اور ذکر سے خالی دل نفس کے پیغامات کو قبول کرکے، بدکاری اور بدعملی میں مبتلا ہوتا رہتا ہے، اس طرح دل سیاہ سے سیاہ تر ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ نیکی کی باتوں کو قبول کرنا اس کے لئے دشوار سے دشوار تر ہوجاتا ہے۔

نفس اور دل کے درمیاں کشمکش کا ہونا ضروری ہے، دونوں کے درمیاں جنگ جوئی سے ہی رفتہ رفتہ نفس کی قوتیں زیر ہوتی چلی جائیں گی۔

ذیل میں دل کی اہمیت کے بارے میں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز سے تمہارے دل میں کھٹکا پیدا ہو، اسے چھوڑ دیا کرو، جس چیز میں سے دل خوش ہو، اسے اختیار کرو۔

فرمایا: مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیاں ہے۔

فرمایا، ہر چیز کے بارے میں اندر کے مفتی سے فتویٰ پوچھا کرو، لوگ چاہے تمہارے عمل کے بارے میں کتنی ہی اچھی رائے کیوں نہ دیں، لوگوں کی رائے کو صحیح نہ سمجھا کرو، اندر کے مفتی (یعنی دل) کے فتویٰ کو صحیح سمجھا کرو۔

شعور ولاشعور کی کشمکش

اور اس کے اثرات ونتائج

باصلاحیت افراد کو دعوت فکر

(حصہ اول)

لاشعور انسانی شخصیت کی اس وسیع دنیا کو کہتے ہیں، جہاں شعور کی منفی یا مثبت شعائیں اور اعمال کے عکس اور اس کے اثرات موجود رہتے ہیں۔ لاشعور کی دنیا، اللہ کی قدرت کا عجیب اور حیرت انگیز مظہر ہے کہ اس میں زندگی بھر کے واقعات، اعمال، یادیں، اور مشاہدات وغیرہ محفوظ رہتے ہیں، لاشعور میں ہم جس قسم کی سوچ کو دخل کریں گے یا جس طرح کے اعمال لاشعور کی طرف منتقل کریں گے، لاشعور سے اسی قسم کی قوتیں اور اعمال کے اثرات ابھر کر، انسانی شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں۔

لاشعور کی اس فیصلہ کن اہمیت کی وجہ سے اسے نبوت اور وحی کی روشنی میں مثبت خیالی قوت اور پاکیزہ اعمال کا ذخیرہ بیجھتے رہیں گے تو اس کے جواب میں لاشعور، شعور اور پوری انسانی شخصیت کو خوشبو، اور روشنی سے معطر اور منور کرتا رہے گا اور اسے مزید بہتر سے بہتر کردار پر ابھارتا رہے گا، اس صورت میں انسانی شخصیت جہاں سکون وطمانیت کے بہتر مقام پر فائز ہو گی، وہاں اس سے پاکیزہ کردار اور پاکیزہ اعمال بھی ظاہر ہوتے رہیں گے، اس طرح لاشعور اللہ کی قدرت کے پَرتو کی صورت اختیار کرے گا، لیکن اگر شعور اور انسانی شخصیت کی طرف سے لاشعور کو منفی خواہشات اور مادیت پرستی پر مبنی خیالات کی لہریں اور اعمال کا ذخیرہ بیجھا گیا تو اس کے جواب میں باطن کی طرف سے نفس پرستی پر مبنی خیالات کی طوفانی لہریں اٹھیں گی، جو ایک کو شعور کو بہا کر لے جائیں گی، دوم یہ کہ اس سے انسانی شخصیت، بدی اور مادیت پرستی کی قوتوں کے سامنے بے بس ہو کر، بدی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور

ہو گی اور بلکہ شخصیت مادیت اور سفلی قوتوں کا مجموعہ بن جائے گی، اس طرح انسانی معاشرہ بدی اور سفلی قوتوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

لاشعور کی طرف سے شعور اور انسانی شخصیت کو ملنے والے منفی پیغامات سے بچانے کے لئے جدید نفسیات نے مادی نوعیت کا مراقبہ، ہپناٹزم، کچھ بہتر جملوں کی تکرار جیسی چیزیں اختیار کی ہیں، تاکہ انسانی شخصیت کو لاشعور کے ہیجانی نوعیت کے جملوں سے بچایا جائے اور ڈپریشن، فکری انتشار اور ذہنی دباؤ کم کیا جائے، لیکن وحی کی روشن تعلیمات سے محرومی کی وجہ سے لاشعور کو منفی اعمال اور منفی سوچ کے اثرات سے بچا کر، اس سے مثبت سوچ اور مثبت اعمال کی لہروں کا ظہور ہونا ناممکنات میں سے ہے، چنانچہ مادیت پسند معاشروں میں شعور اور لاشعور کی کشمکش میں شعور انتہائی بے بسی کا شکار ہو کر، مریض ہی نہیں، بلکہ مفلوج ہو جاتا ہے، نیز مادی نوعیت کی مصنوعی روحانی مشقیں شخصیت کو ہیجان خیزی سے بچا کر، اسے مثبت اور صحتمند رخ دینے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

آج دنیا میں خیر اور شر کی جو جنگ برپا ہے، وہ دراصل شعور اور لاشعور کے درمیاں ہونے والی کشمکش ہی کا نتیجہ ہے۔

لاشعور کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ فطرت کے طاقتور تقاضوں کے زیر اثر رہتا ہے، فطرت اسے نیکی کے پیغامات ارسال کرتی رہتی ہے، پھر لاشعور میں خود الست بربکم کی صدا موجود ہے۔ مادہ پرست قومیں جو فطرت اور ضمیر کی صداؤں کو مکمل طور پر دبا چکی ہیں، ان کے ہاں تو خیر اور شر کی کشمکش موجود نہیں، ان کے ہاں لاشعور، مادی فکر اور خواہشات پر مبنی شعور سے مکمل طور پر ہمہ آہنگ ہو گیا ہے، اس کا جو نتیجہ مغربی قوموں کو بھگتنا پڑ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ بہتر عدالتی، انتظامی اور تمدنی نظام ہونے کے باوجود ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں نے ان کا احاطہ کر لیا ہے، البتہ مسلم معاشرہ جہاں ابھی فطرت کی صلاحیتیں پوری طرح مسخ نہیں ہوئی اور ضمیر بھی مردہ نہیں ہوا، ان کے ہاں لاشعور اور شعور کے درمیاں کشمکش موجود ہے، مغرب کی تقلید میں وہ لاشعور کو مادہ پرستی اور نفس پرستی کی آماجگاہ بنانا چاہتی ہے، جب کہ اس معاملہ میں ان کی فطرت اور ضمیر کی قوتیں مزاحمت کا کردار ادا

کر رہی ہیں، لیکن مادیت پرستی کے ماحول کے ہمہ گیر غلبہ کی وجہ سے فطرت اور ضمیر کی یہ مزاحمت تیزی سے کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے۔

خطرہ اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں بھی کہیں مغرب کی طرح وحی کی روشنی سے محرومی اور عقلیت اور نفسانی قوتوں کے غلبہ کی وجہ فطرت کے مسخ ہونے اور ضمیر کی مردنی کی صورتحال عروج پر نہ پہنچ جائے، اس صورت میں لاشعور سراسر مادیت اور نفسانیت سے ہمنوا ہو جائے گا اور اس میں نہ صرف کہ بدی کی قوتوں کی مزاحمت موجود نہ رہے گی، بلکہ اس کا ادراک اور شعور تک سلب ہو جائے گا۔

لاشعور کو مادیت اور نفسانیت کا مرکز بنانے سے بچانے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت کے فطرت کے سب سے طاقتور داعیے (تقاضے) کو سمجھکر، فرد وافراد کی شخصیت کی نشو ونما میں اس طاقتور فطری داعیے سے کام لیا جائے، اس سے انسانی شخصیت کے سارے جذبات حسن کی تسکین کی صورت پیدا ہو گی، شعور اور لاشعور کے درمیاں وحدت کا رشتہ مستحکم ہو گا، دونوں اللہ کی تسبیح میں اس طرح مصروف ہوں گے کہ انسانی شخصیت حالت وجد میں آئے گی، اور معاشرہ کو لاحق وہ ساری بیماریاں دور ہوں گی، جس سے مغربی معاشرہ دوچار ہو چکا ہے۔

انسانی فطرت میں سب سے طاقتور داعیہ کیا ہے، جو انسان کی ساری باطنی، روحانی اور اخلاقی قدروں کو صحیح اور پاکیزہ رخ دینے اور انسان کے جملہ جذباتِ حسن کی تسکین کا ذریعہ ہے؟ وہ اللہ سے والہانہ محبت کا داعیہ ہے، یہی وہ تقاضا (داعیہ) ہے، جس کے لئے انسانی شخصیت مضطرب اور بے قرار رہتی ہے اور اس کے سارے جذبات میں ارتعاش اور اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

یہ فطری داعیہ ایسا ہے، جو فرد اور افراد کو عشق ومحبت کی حرارت سے سرشار رکھتا ہے، اس کی وجہ سے انسان کے سارے جذباتِ حسن کی تسکین و تشفی ہونے لگتی ہے اور شعور اور لاشعور دونوں میں اعتدال، ٹھہراؤ اور طمانیت پیدا ہونے لگتی ہے اور مادہ پرست معاشروں کے افراد میں ساری مادی خوشحالی اور اخلاقیات کے مصنوعی نظام کو فروغ دینے کی کوششوں کے باوجود پاکیزہ اخلاقی اور روحانی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، مسلم معاشرہ ان ساری خرابیوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔

شعور ولاشعور کی کشمکش

اور اس کے اثرات ونتائج

باصلاحیت افراد کو دعوت فکر

(حصہ دوم)

آج مغرب دوراہے پر کھڑا ہے، اس نے نبوت وحی کی روشنی سے محروم ہو کر مصنوعی اخلاقیات کا ایک نظام تخلیق دیا ہے اور مادی اور کاروباری نوعیت کے اخلاق کی عمارت بھی کھڑی کی ہے، نظام تعلیم کے ذریعہ عقلیت پر مبنی اس اخلاقیات کو ان کے مزاج کا حصہ بنانے کی کوششیں کی گئی ہے، ساتھ ساتھ وحی کی روشنی سے یکسر محروم ہو کر، انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں ڈوب کر مصنوعی روحانی نوعیت کی کچھ مشقوں کی صلاحیت بھی پیدا کی ہے، لیکن ان ساری کاوشوں کے باوجود اہل مغرب ایک توسکوں کی دولت سے محروم ہے، دوم یہ کہ ذہنی دباؤ، فکری انتشار اور ڈپریشن کی ایک بڑھتی ہوئی وباہے، جس میں مغربی انسان مبتلا ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روحانیت کی مادی اور مصنوعی نوعیت کی مشقوں اور عقلیت پر مبنی نظریات، تجربات ومشاہدہ میں وہ جوہر کہاں سے آئے گا، جو انسان کی داخلی زندگی کو ہر طرح کے فساد سے بچا کر اسے بے پناہ حلاوت اور سکون سے بہرہ ور کر سکے۔

اہل مغرب اپنی ساری مادی ترقی، عقلیت کے بھرپور استعمال، نفسیات میں بے پناہ ترقی اور اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین تک رسائی حاصل کرنے کے باوجود اپنے لوگوں کو ایثار، شفقت، محبت، رحم دلی، صبر وشکر، سکون وطمانیت، رشتوں کا تقدس، خوشگوار ازواجی تعلقات، خاندانی نظام کی بحالی جیسی نعمتیں عطانہ کر سکا، خاندانی نظام کی تباہی اور رشتوں کے تقدس کا خاتمہ کوئی معمولی آفت نہیں ہے، بلکہ بہت بڑی تباہی ہے اور بہت بڑا بحران ہے، جس کے مقابلہ میں ساری

مادی ترقی اور مختلف محاذوں پر ہونے والی کامیابیاں ہیچ ہو جاتی ہیں، اگر فرد وافراد اضطراب، حقیقی روحانیت سے محرومی کی وجہ سے بے قراری کے انگاروں پر لیٹنے پر مجبور ہوں، اگر فرد وافراد کے درمیاں جذباتِ محبت استوار نہ ہو سکیں، اور وہ یہ محسوس کریں کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جو اس سے دلی طور پر محبت رکھتا ہو اور اس کے درد وغم میں شریک ہوتا ہو تو اس طرح کے احساسات کے ساتھ مادی ترقی، مادی خوشحالی اور دولت کس کام کی ہو سکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ نبوت اور وحی کی روشنی اور وحی کے ذریعہ مسائل حیات کو سمجھکر، انہیں حل کرنے کی راہ ایسی ہے، جو قدرت کا انسان پر سب سے بڑا انعام اور تحفہ ہے، اس عطیہ سے شعوری طور پر محرومی اور اس سے دوری کی سخت سزا ہے جو انسانیت کو مختلف دور میں ملتی رہی ہے۔

لاشعور کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ انسانی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے، پاکیزہ فکر اور پاکیزہ اعمال سے لاشعور پوری انسانی شخصیت کو نیکی کی طرف گامزن کرنے اور اسے سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، جب کہ بُرائی، بڑے اعمال اور منفی فکر سے نفسیات اور مادیت میں فساد برپا ہوتا رہتا ہے۔

یاد رکھیں کہ ایمان وعمل صالحہ کے اعتبار کمزور لاشعور پر باطل، طاغوت اور مادیت پرست قوتیں اپنی گرفت میں لے کر اس پر حملے کر کے اس پر جلد کامیاب ہو جاتی ہیں۔

لاشعور کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ وہ زندگی بھر کی کارگزاری، اعمال، کردار، یادوں اور مشاہدات کا دفتر (ریکارڈ) موجود ہوتا ہے، جہاں چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی محفوظ رہتی ہے، قیامت کے دن لاشعور میں موجود یہی اعمال نامہ فرد کے سامنے کر دیا جائے گا اور اسے اپنے اعمال کی شکلیں اور صورتیں دکھائی جائیں گی اور اس کی باتوں اور گفتگو کا ریکارڈ اس کے سامنے لا کر پیش کیا جائے گا، جس سے اس کے لئے انکار کے سارے راستے بند ہو جائیں گے۔

قرآن کی آیت ہے **"وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا اقرء کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا۔**

(ہم نے ہر انسان کی نحوست اور سعادت کی فال اس کی گردن میں لٹکادی ہے اور قیامت کے دن ہم ایک کھلی تحریر اس کے سامنے لائیں گے اعمال نامہ خود پڑھ لے آج تم اپنا حساب خود کرنے کے لئے کافی ہو)۔

فرد جب ایمان کے نور اور وحی کی روشنی میں اندر میں غوطہ زن ہوتا رہے گا تو اس سے ایک تو لاشعور پاکیزہ سے پاکیزہ تر ہوتا جائے گا، دوم یہ کہ فرد تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق اختیار کرو) کا نمونہ بن جائے گا، سوم یہ کہ فرد وافراد کا رحمانی قوتوں سے واسط قائم ہوگا، جو اللہ کی محبت کے اس کے سفر میں اس کے لئے معاون ومددگار ثابت ہوں گی، اس طرح لاشعور نفسی قوتوں کی گرفت سے آزاد ہو کر اللہ کے لئے خالص ہو جائے گا اور وہ انسانی جوہروں سے پوری طرح بہرہ ور ہوگا، اس حالت تک پہنچنے کے بعد دنیا کے حوالے سے فرد کی ساری حسرتیں وارمان ختم ہو کر، ایک ہی حسرت باقی رہے گی کہ اللہ کی محبت کا اس کا ارتقائی تسلسل جاری رہے، وہ ختم ہونے کا نام نہ لے، دوم یہ کہ اس کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ میں اضافہ ہوتا رہے۔

یاد رہے کہ لاشعور کو اپنے پاکیزہ نصب العین کے لئے شعور اور انسانی شخصیت کے باطن میں موجود باطل اور طاغوت سے سخت جنگ لڑے بغیر فتحیابی نہیں ہو سکتی، شعور اور داخلی باطل اور خارجی باطل سے مقابلہ کے لئے فرد کے لئے شیخ یا روحانی استاد کی معیت اور صحبت ضروری ہے، وہ اس راہ میں اس کے لئے مؤثر مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

ہماری درسگاہیں اور ہمارا خانقاہی نظام صدیوں سے انسانیت کے لئے علم وفضل کے ساتھ ساتھ اس کے حسن کے سارے جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنتے رہے ہیں، ہمارا خانقاہی نظام تو ہر اعتبار سے فلاحی نظام تھا، جس میں ہر فرد معاشی فکر سے آزاد ہو کر، اخلاقی نشوونما، روحانی بالیدگی اور تزکیہ نفس کے لئے شیخ کی صحبت میں رہتا تھا اور خانقاہ کا مجموعی نظام روحانیت کو فروغ دینے اور اسلام اور اسلامیت سے ہمہ آہنگی پر مشتمل ہوتا تھا، اس خانقاہی نظام سے عام لوگ ہی نہیں، بلکہ حکماء، فلاسفر، دانشور، سائنسدان، ریاضی داں اور علوم وفنون کے ماہر سب یکساں طور پر فیضیاب ہوتے تھے، اس اخلاقی نظام سے معاشرہ کو وہ افراد مہیا ہوتے تھے، جو ریاست کے اجتماعی نظام کو بہتر طور پر

چلانے کی اہلیت رکھتے تھے اور وہ ہر طرح کے حالات میں امانت، دیانتداری، لوگوں کے کام آنا اور اپنی ذمہ داریوں کی آخری حد تک ادائیگی کے لئے تیار رہتے تھے۔

بدقسمتی سے عالمی مادی فکر کے غلبہ کی وجہ سے اب لگ بھگ ہمارے سارے مؤثر طبقات خانقاہی نظام کو بے معنٰی سمجھتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ روحانی طور پر سکون سے محرومی کے ساتھ ساتھ مادیت کی طوفانی لہروں کی نذر ہو چکے ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے جنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہمارے مؤثر طبقات مغرب کی مصنوعی اخلاقیات، مادی ترقی اور ان کے نفسیاتی نوعیت کے طریقہ علاج اور سکون قلبی کے لئے ان کی مادی نوعیت کی مشقوں کے سحر سے آزاد ہو کر، اپنی شاندار تاریخ اور اپنی پاکیزہ تہذیب کے وراثتی سلسلہ پر اعتماد کا مظاہرہ کریں، اور اس سے بھرپور استفادہ کے ذریعہ اپنی شخصیت کو پاکیزگی اور خوشی وحلاوت سے سرشار کریں۔

لاشعور کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، اس کا جھکاؤ یا تو مادیت اور نفس پرستی کی طرف ہوگا یا نیکوکاری کی طرف، اس لئے کوشش کریں کہ لاشعور پر غفلت طاری نہ ہو۔

شعور اور لاشعور میں ہمہ آہنگی کی صورت

شعور اور لاشعور کی دنیا میں جب تک ہمہ آہنگی اور مطالقت پیدا نہیں ہوتی، تب تک انسانی شخصیت تہلکہ سے دوچار ہوگی، شعور کا کام یہ ہے کہ وہ لاشعور کو ایسا نصب العین دے، جس میں حسن و کمال کی ساری صفات موجود ہوں، جب لاشعور کو اس طرح کا نصب العین مل جاتا ہے تو اس سے لاشعور کے جذبہ حسن کی مکمل تشفی ہوتی ہے، دوم یہ کہ لاشعور غلط نصب العینوں کی بھٹکاوٹ سے محفوظ ہوتا ہے، اور وہ پاکیزہ نصب العین کے ارتقائی مراحل طے کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے، ساتھ ساتھ وہ پوری انسانی شخصیت کو اس کام میں مصروف رکھتا ہے۔

اگر شعور نے لاشعور کو غلط نصب العین دیا، جس سے لاشعور کے حسن و جمال کے جذبات واحساسات کی تسکین کی صورت پیدا نہ ہو تو اس سے ایک تو لاشعور بھٹک جاتا ہے اور وہ غلط نصب العین کے اثرات کی زد میں آکر، اصل نصب العین سے بہت دور ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ لاشعور کو حقیقی جذباتِ حسن کی تشفی سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔

لاشعور کی نصب العین کی صورت میں رہنمائی کرنا، بلکہ اسے نصب العین فراہم کرنا، یہ مادی نوعیت کے شعور یا حواسوں کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ شعور عام طور پر مادیت سے متاثر ہوتا ہے، اس کے لئے مادیت ونفسیانیت سے بلند ہو کر، پاکیزہ نصب العین تک رسائی حاصل کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے، اس مقصد کے لئے شعور کے لئے نبوت اور وحی کی رہنمائی کا حاصل ہونا ناگزیر ہے، نبوت اور وحی ہی شعور کی صحیح رہنمائی کر کے لاشعور کو اس قابل بناتی ہے کہ اس کے سارے جذبات حسن کی تشفی کی صورت پیدا ہو اور لاشعور ساری انسانی شخصیت کو اس نصب العین سے ہمہ آہنگ بنا سکے۔

نبوت اور وحی کی رہنمائی کے بغیر شعور اور لاشعور دونوں بھٹکتے رہتے ہیں اور دونوں اصل مقصود سے دور ہو کر، ایک دوسرے کے لئے المیہ کا موجب بن جاتے ہیں، شعور ولاشعور کی اصل نصب العین سے محرومی کی سزا پوری انسانیت کو ملتی ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر دکھوں، غموں اور

خلفشار سے دوچار ہوتی ہے اور پاکیزہ نصب العین سے محرومی انسانیت کو آخرت کے جہنم سے پہلے اس دنیا میں جہنم کے منظر سے دوچار کر دیتی ہے۔

نبوت اور وحی یہ بتاتی ہے کہ عقیدہ توحید، عبادت، ذکر وفکر، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ایسی چیزیں ہیں، جس سے انسانی شخصیت کے سارے جذباتِ حسن کی تشفی ہوتی ہے اور ان چیزوں سے محرومی انسانی شخصیت کو خود اس دنیا میں جہنم کے کنارے پر لا کھڑا کر دی ہے، نیز اس کے باطن کو ہیجان خیزی، بے قراری، بے یقینی اور خوف وحزن سے بھر دیتی ہے۔

اس نکتہ کو سمجھنا از حد ضروری ہے کہ لاشعور پاکیزہ نصب العین چاہتا ہے، لاشعور کو یہ پاکیزہ نصب العین شعور کی طرف سے ملتا ہے اور شعور یہ پاکیزہ نصب العین نبوت ووحی کی روشنی اور اس کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔

لاشعور کے بارے میں جدید ماہرین نفسیات کا یہ کہنا کہ اس کا فطری نصب العینی داعیہ (تقاضا) جنسی جذبات کی تسکین ہے یا اس کا فطری نصب العینی داعیہ حیوانی نوعیت کی خواہشات کی تسکین ہے، اس طرح کے نظریات شعور کی گمراہی کا نتیجہ ہیں، اہل مغرب نے ان نظریات کو اختیار کیا، اس کی جو سزا انہیں مل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ حیوانیت اور جنسی زدگی کی ایک وبا جو پھوٹ پڑی ہے نیز ذہنی انتشار اور ڈپریشن کا بڑھتا ہوا سلسلہ ہے، جو ان کو گھیرے ہوئے ہے، اس سے بچاؤ کے لئے ساری مادی نوعیت کی تدابیر اور شعوری کوششیں ناکامی سے دوچار ہیں، اس لئے کہ شعور مادی حقائق سے بلند چیزوں کو سمجھنے کا اہل ہی نہیں ہے اور نہ ہی شعور میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ قدرت نے انسانی شخصیت میں جو جوہری قوتیں رکھی ہیں، وہ ان کی حقیقی نوعیت کو سمجھ سکے، البتہ نبوت ووحی کی رہنمائی اختیار کرنے سے شعور اور لاشعور دونوں کی پاکیزہ نصب العین کے تحت تربیت ہو سکتی ہے۔ اور دونوں میں ہمہ آہنگی اور مطابقت پیدا ہوتی ہے، اگر انسانیت یہ راہ اختیار کرے تو کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا فساد وخلفشار سے بھرپور موجودہ سارا منظر تبدیل ہو کر انسانیت، باہمی محبت، سکون وسکینت، ایک دوسرے کی بے غرضانہ مدد، واور امن وراحت کی منزل حاصل کر سکتی ہے۔

مختلف محاذوں پر

خدمت اسلام کے لئے ہونے والے کاموں کی اہمیت

خدمت اسلام کے بہت سارے محاذ ہیں، جن پر کام کی ضرورت ہے، علمی وادبی محاذ ہے، جدیدیت کے چیلنج کا محاذ ہے، سماجی خدمت کا محاذ ہے، درس وتدریس کا محاذ ہے، وعظ ونصیحت کا محاذ ہے، میدان سیاست میں خدمت کا محاذ ہے، ذہن سازی کا محاذ ہے، ان سارے محاذوں پر ہونے والا خدمت اسلام کا کام ایسا ہے، جو ہم سب کا مشترکہ کام ہے، ان سارے محاذوں پر ہونے والے کاموں میں جتنی بہتری آجائے، اسی قدر اسلامی تحریک کو تقویت حاصل ہوگی، جدیدیت سے مقابلہ کی صورت پیدا ہوگی اور ملت اسلامیہ کے بقا کی صورت پیدا ہوگی۔

خدمت اسلام کے کسی بھی کام کو معمولی سمجھنا غلط ہے، امت کے وہ سارے طبقات قابل قدر ہیں، جو تحفظ اسلام، بقائے اسلام اور دینی تعلیم وتربیت اور مثبت ذہن سازی کے محاذ پر کام کررہے ہیں۔

موجودہ دور میں کسی بھی محاذ پر خدمت اسلام کا کام کرنا جہاد سے کم نہیں ہے، اس لئے کہ مادیت کی ہمہ گیر فضا اور معاشی سرگرمیوں سے وقت نکال کر، اس دور میں خدمت اسلام کا کام کرنا، سب سے دشوار تر ہے، اس طرح کے افراد خوشنصیب ہیں، جو خدمت اسلام کے کسی بھی محاذ پر اپنی صلاحیت صرف کررہے ہیں۔

اس دور میں خدمت اسلام کا ایک محاذ سیکولرزم پر مبنی نظریات ہیں، جو عالمی کفر کی سرپرستی میں مسلم امت میں تعلیم، نشر واشاعت اور میڈیا کے ذریعہ پھیل رہے ہیں، یہ کام ایسا ہے، جو باصلاحیت تعلیم یافتہ افراد ہی بہتر طور پر کرسکتے ہیں اور ایک حد تک کررہے ہیں، لیکن چونکہ جدید سیکولر نظریات علمی نوعیت کے ہیں، ان میں اور فلسفہ کی آمیزش شامل ہے، اس لئے ان نظریات کی سنگینی کو ہمارے مذہبی طبقات عام طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں، اس کا ایک نقصان جو ہورہا ہے کہ دینی مدارس کے بعض افراد بھی جدید سیکولر نظریات کے سحر کا شکار ہورہے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ عالمی سطح کی مادہ پرست قوتوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس رہے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ مادی اور عقلی

نوعیت کے نظریات کا کوئی مستقبل نہیں، وہ انشاء اللہ ناکامی سے دوچار ہوں گے، اور حق ہی غالب ہو کررہے گا، لیکن جدید سیکولر نظریات پچھلے دو سو سال سے کروڑوں سے زیادہ افراد کو اپنے نرغے میں لے چکے ہیں اور انسانوں کی نصف سے زیادہ آبادی ان باطل نظریات کے سحر میں مبتلا ہو کر اللہ، وحی اور آخرت کے عقائد سے بے نیاز ہوچکی ہے۔

ہمارے ہاں بالخصوص صوبہ سندھ میں الحاد دہریت اور سیکولرزم کی تحریک طاقتور ہے اور ستر اسی سال سے ہماری تین نسلوں کے ذہین افراد (کافی بڑی تعداد میں) اپنے اعتقادات اور اپنی پاکیزہ تہذیب پر اعتماد ختم کرچکے ہیں، اس لئے لادین نظریات سے علمی مقابلہ کے کام کو معمولی سمجھنا یا اس محاذ کو غیر اہم سمجھنا صحیح نہ ہوگا، علامہ اقبال، مولانا مودودی، ڈاکٹر محمد رفیع الدین اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے علمی کام کا یہ پہلو بہت اہم اور تابناک ہے کہ انہوں نے جدید نسلوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق استدلال کے ذریعہ اسلام پر مطمئن کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا، اس طرح برصغیر ہند کے لاکھوں سے زیادہ ذہین وباصلاحیت افراد الحاد ودہریت اور سیکولرزم کی تحریک کا شکار ہونے سے بچ گئے، اسلام کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ہر دور کے طاقتور فتنوں کے مقابلہ کے لئے امت کے ذہین وباصلاحیت افراد اپنی توانائیاں صرف کریں اور وہ اس کے لئے مخصوص ہوجائیں، بیسویں صدی میں سابق کمیونسٹ سوویت یونین نے وسطہ ایشیا سے جس طرح اسلام کو مٹانے کی کوششیں کیں اور کروڑہا مسلمانوں کو الحاد ودہریت کا شکار بنایا، اس طرح صدیوں کے امت کے تسلسل کو تبدیل کیا، وہ سامنے کی بات ہے، اب کہیں جاکر وسط ایشا کی مسلم ریاستوں میں اسلام سے رسمی نوعیت کا تعلق قائم ہونا شروع ہوا ہے، ورنہ وہاں لگ بھگ پون صدی تک اسلام اور اسلامی عقیدہ اور اسلامی نظریہ بے گانہ رہا۔

خود ہندستان میں مسلمانوں کو ہندی تہذیب میں ضم کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں، اس سے مسلمانوں کی نئی نسلیں بُری طرح متاثر ہورہی ہیں۔

البتہ خدمت اسلام کے لئے علمی اور تحقیقاتی کام سے بھی زیادہ جس چیز کی فکر اور خصوصی اہتمام کی ضرورت ہے، وہ اخلاص اور للھیت کا کام ہے، اس لئے کہ اخلاص کے فقدان یا اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے یہ سارے کام اللہ کے ہاں قبولیت کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

لاشعور کی نوعیت

اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت

شعور اور لاشعور کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے، ہم یہ کہیں گے کہ لاشعور دراصل خود شعوری کا نام ہے، جو پوری انسانی شخصیت پر حاوی ہے، انسانی جسم، لاشعور کے لئے سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خود شعوری ایسی چیز ہے، جو انسانی شخصیت کی حیات و موت کا ذریعہ ہے، جب خود شعوری جسم سے رخصت ہو جاتی ہے تو انسانی جسم مردہ ہو جاتا ہے، چونکہ جدید مغربی فکر نبوت، وحی اور روح کا منکر ہے، اس لئے لاشعور کو روح کے معنٰی پر محمول کرنا، جدید افراد کو الجھن میں مبتلا کر دینا ہے، اس لئے ہم نے شعور اور لاشعور کے موضوع پر اپنے پچھلے مضامین میں روح کی اصطلاح استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے، فلسفہ کی اصلاح میں روح کے لئے خود شعوری کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یہ خود شعوری جسے جدیدیت کی رو سے لاشعور کہتے ہیں، یہ دراصل انسانی شخصیت کا جوہر ہے، اس پر موت واقع نہیں ہوتی، موت انسانی جسم پر لاگو ہوتا ہے، خود شعور ہستی محبوب حقیقی کے حسن کی ایسی اداؤں سے آشنا ہے کہ اس کی اصل غذا ہی محبوب کے انوار حسن کا مشاہدہ ہے، لیکن چونکہ انسان کی آزمائش کے لئے اسے نفسی قوت کے ساتھ ساتھ شعور بھی دیا گیا ہے، اس لئے نفسی قوت جو مادہ کی پیداوار ہے، وہ شعور کو آلہ کار بنا کر، خود شعوری کا محبوب سے رشتہ توڑنے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہے، ان کو اس مقصد میں اسے اکثر کامیابی حاصل ہوتی ہے، اس کامیابی کا بنیادی سبب مادیت پر مشتمل وہ معاشرہ ہوتا ہے، جو فرد کی شخصیت پر اثر انداز ہو کر، اسے مادیت پر فریفتہ کر دیتا ہے، شعور، نفس کے ساتھ ساتھ مادیت پرست معاشرہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

شعور اور لاشعور کے موضوع پر ممتاز فلسفی ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ نے اپنی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' میں بہت عمدہ بحث کی ہے، یہاں اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، قیمتی نکات پر مشتمل

بحث ہونے کی وجہ سے یہ اقتباسات کچھ طویل ہیں، یہ طوالت اہل علم کے لئے انشاءاللہ بوجھ بننے کے بجائے بیش بہا معلومات کا ذریعہ بنے گی۔

ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں کہ شعور ولاشعور کے سلسلہ میں مختصر الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا خلاصہ پیش کریں۔

لاشعور حسن وجمال پر مشتمل پاکیزہ نصب العین چاہتا ہے، اس نصب العین سے اس کے حسن وجمال کے سارے جذبات کی تسکین ہو جاتی ہے، شعور کا کام یہ ہے کہ وہ لاشعور کو نصب العین مہیا کرے، شعور، لاشعور کے لئے خادم کی حیثیت رکھتا ہے، اگر شعور کی طرف سے لاشعور کو پاکیزہ نصب العین مہیا ہو گیا تو لاشعور بے پناہ مسرت محسوس کرتا ہے، بلکہ وہ خوشی اور حلاوت سے سرشار ہو جاتا ہے، لیکن اگر شعور کی طرف سے لاشعور کو حسن وجمال پر مشتمل نصب العین دینے کی بجائے ایسا نصب العین دیا گیا، جس سے لاشعور کے جذباتِ حسن کی تشفی نہیں ہوتی تو اس سے لاشعور سخت بے چین ہو جاتا ہے اور شدید منفی احساسات کا شکار بھی، ذہنی دباؤ، ڈپریشن، فکری انتشار، اور چڑچڑاپن جیسی بہت ساری بیماریاں اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

اگر شعور کی طرف سے لاشعور کو بار بار غلط نصب العین دیا گیا تو ایک تو اس سے لاشعور، شعور سے شدید متنفر ہو جاتا ہے، دوم یہ کہ وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، لاشعور کا ایک تو یہ پہلو ہے، اس کا پہلو یہ ہے کہ زندگی بھر کے اعمال لاشعور میں موجود رہتے ہیں، پیدائش سے لے کر موت تک ہر چھوٹا بڑا عمل لاشعور میں محفوظ ہوتا ہے۔

اللہ کی طرف رجوع، اپنے گناہوں کی معافی چاہتے رہنا، عبادت اور ذکر وفکر ایسی ہے، جس سے لاشعور کی تشفی ہوتی ہے اور اس کے لئے جملہ بیماریوں سے نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے، لاشعور دراصل خود شعوری ہے، جسے دینی ومذہبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے۔

شعور اور لاشعور ممتاز فلسفی ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی نظر میں۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اب جذبۂ لاشعور کو جذبۂ حسن و کمال سمجھتے ہوئے سارے نظریۂ لاشعور پر نظر ڈالیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مفروضہ اس نظریہ کو کس قدر واضح اور قابل فہم بناتا ہے۔

لاشعور حسن کا طالب ہے اور اس کی خواہش نہایت تیز اور طاقتور ہے۔ لیکن چونکہ بیرونی دنیا سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں، وہ کچھ نہیں جانتا کہ بیرونی دنیا میں اس خواہش کی تکمیل کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ شعور جو لاشعور ہی کا ایک حصہ ہے، جو گویا بیرونی دنیا کو دیکھنے اور کام میں لانے کے لیے سطح شعور سے اوپر نمودار ہو گیا ہے، لاشعور کو ایک خادم کا کام دیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ بیرونی دنیا کی اصطلاحات میں لاشعور کی خواہشات کی بہترین ترجمانی کر کے، ان کو بہترین طریق سے پورا کرے۔ لاشعور نے شعور کو جو کام دے رکھا ہے، وہ بہت بڑا اور بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اسے اچھی طرح سے معلوم نہیں کہ لاشعور کیا چاہتا ہے، شعور اپنا فرض پوری احتیاط اور پوری قابلیت سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے اور لاشعور، شعور کی خواہش کے مختلف اندازے قائم کرتا ہے، شعور کی یہ استعداد فوق الشعور SUPER EGO ہے۔(صفحہ ۳۶۰)

''شعور کے اندازے تصورات یا نظریات یا آدرش ہیں، اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے شعور نے جو کوششیں کی ہیں، نوعِ بشر کی ساری تاریخ ان ہی کی داستان ہے۔ نیز آج تک انسان اور کائنات کا جس قدر علم ہمیں حاصل ہے، وہ بھی شعور کے ایسے ہی اندازوں پر مشتمل ہے۔ شعور، لاشعور کے مقصود کی تلاش اور تتبع میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خدمت کے لیے اسے ایک بہت بڑا انعام ملنے کی توقع ہوتی ہے اور وہ انعام لاشعور کی دوستی اور محبت ہے۔ شعور اس دوستی یا محبت کو بہت چاہتا ہے۔ کیونکہ اس سے شعور، لاشعور کی بے پناہ قوت اور طاقت میں حصہ دار ہو جاتا ہے اور اس کی اپنی طاقت اور قوت بڑھ جاتی ہے۔ اگر شعور اپنا فرض کامیابی سے انجام دے سکے تو اس کے عوض میں اسے بے اندازہ خوشی اور طاقت حاصل ہوتی ہے۔(صفحہ ۳۶۱)

''شعور صرف اتنا ہی جانتا ہے کہ لاشعور جس چیز کو چاہتا ہے، وہ نہایت ہی عمدہ اور اعلیٰ ہے، یہاں تک کہ اس سے بہتر اور خوب تر چیز دنیا بھر میں اور کوئی نہیں۔ اس محدود واقفیت سے آغاز

کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شعور بار بار غلطیاں کرتا ہے اور اس کی پہلی غلطی وہ ہے، جسے فرائڈ آبائی الجھاؤ کہتا ہے۔ شعور والدین کو حسن و کمال کی انتہا سمجھ لیتا ہے۔ چند سال یہ غلطی خوب کامیاب رہتی ہے۔ لیکن جب بیرونی دنیا کے متعلق اس کا علم وسیع تر ہو جاتا ہے تو وہ لاشعور کی خواہش کی بہتر ترجمانی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب اسے ایسا نظر آتا ہے کہ والدین کے تصور سے بہتر تصورات بھی دنیا میں موجود ہیں اور والدین کا تصور لاشعور کو مطمئن نہیں کر سکے گا۔ پھر ایغو، لاشعور کے سامنے اور تصورات پیش کرتا ہے۔ اکثر اوقات یہ تصورات ایسے ہوتے ہیں، جن میں حسن و کمال فی الواقع موجود نہیں ہوتا اور شعور ان کی طرف محض غلطی سے حسن و کمال منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا یہ تصورات آخر کار لاشعور کو مطمئن نہیں کر سکتے۔(صفحہ ۳۶۱)

شعور اور لاشعور کے درمیاں کھچاؤ پیدا ہونے اور اس سے بچاؤ کی صورت

''چونکہ لاشعور کا جذبہ نہایت قوی ہے، اس لیے اسکی مایوسی بھی نہایت شدید ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ شعور سے تعاون نہیں کرتا، اس حالت کو صدمہ، تشویش یا اعصابی خلل کا نام دیا جاتا ہے۔ تب شعور اگر ممکن ہو سکے تو فوراً لاشعور کے لیے ایک اور تصور پیش کرتا ہے، جو اس کے خیال میں پہلے تصور سے زیادہ تسلی بخش ہوتا ہے، لیکن اکثر ایسا کرنا، اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو لاشعور کی محبت جس کی ترقی اب مسدود ہو گئی ہوتی ہے، اس حد تک آزاد نہیں ہوتی کہ اس نئے تصور کی طرف منتقل ہو سکے۔ (صفحہ ۳۶۲)

''جب شعور اور لاشعور کے درمیان کھچاؤ پیدا ہو جائے تو اس سے پہلے، اعصابی خلل کی صورت میں اس کے بدترین نتائج ظہور پذیر ہوں، اس کو دور کرنا ممکن ہے اور لاشعور کی اصل ماہیت کے پیش نظر اس کا صحیح طریق یہ ہے کہ انسان فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں سچے دل سے توبہ اور استغفار کرے اور نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی پرستش اور عبادت کی طرف رجوع کرے اور تمام ایسے افعال سے جو طلب حسن کے منافی ہوں، سختی سے مجتنب رہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ وہ لاشعور کے اصل مقصود اور مطلوب کی طرف لوٹ رہا ہے اور اس کی صحیح خواہش کو (جس کی غلط تعبیر کی وجہ سے اس کے شعور نے اسے مصیبت میں ڈال دیا ہے،

پورا کر رہا ہے۔اس سے شعور فوق الشعور سے یعنی لاشعور کی غلط ترجمانی سے الگ ہو جائے گا۔لاشعور کو اطمینان اور تسلی ہو جائے گی اور وہ شعور سے صلح کرے گا۔(صفحہ ۳۶۳)

''سچی توبہ اور مخلصانہ عبادت اللہ کی شدید اور مخلصانہ محبت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ محبت ایسی چیز ہے، جو ایمان سے آغاز کر کے رفتہ رفتہ نشو و نما پاتی ہے۔اس کی ترقی وقت چاہتی ہے، لہٰذا عبادت کی عادت بنانا، انسان کو اعصابی امراض سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے حملہ کے وقت مؤثر اور شافی علاج بہم پہنچاتا ہے۔لاشعور، شعور سے صلح کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے، بشرطیکہ وہ اس کی خدمت ٹھیک طرح سے بجالائے۔ گویا وہ کریم الطبع ہے اور شعور کی پشیمانی اور عاجزی کو جس کا اظہار وہ عبادت اور توبہ کے ذریعہ سے کرتا ہے، جلد قبول کر لیتا ہے، جونہی کہ شعور حسن کی جستجو کرنے لگتا ہے اور لاشعور کی صحیح خدمت انجام دینے لگتا ہے۔لاشعور کی شکایات جو انسان کے ذہنی مجادلہ کی صورت اختیار کرتی ہیں، رفع ہو جاتی ہیں۔(۳۷۴)

''اور دونوں پھر دوست بن جاتے ہیں اور مل کر اپنے مشترکہ نصب العین یعنی کمالِ حسن کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔شعور کا لاشعور سے صلح کی کوشش کرنا، انسان کا توبہ کرنا اور اللہ کی رحمت کا طلبگار ہونا اور لاشعور کا شعور سے صلح کر لینا، اللہ کی رحمت کا عود کرنا اور اللہ کا توبہ قبول کرنا ہے۔ ایسی حالت میں لاشعور کا جذبۂ حسن زیادہ سے زیادہ اظہار پانے لگتا ہے، حتیٰ کہ لاشعور شعور میں پوری طرح سے جلوہ گر ہو جاتا ہے اور شعور کا اطمینان اور قوت دونوں ترقی کی انتہا پر پہنچ جاتے ہیں۔(صفحہ ۳۶۴)

''یہی خود شعوری کے ارتقا، اس کی تربیت اور ترقی کا معراج ہے، جہاں ایک قدسی حدیث کے مطابق جو اوپر نقل کی گئی ہے۔اللہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کان، آنکھ اور دل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ خود شعوری کا یہ معراج جہاں پہنچ کر اسے انتہائی راحت اور آسودگی حاصل ہو جاتی ہے، اس کی محبت کا کمال ہے، جو اگر مرتے دم تک قائم رہے تو پھر کبھی زائل نہیں ہوتا۔اس کی وجہ سے موت کے بعد خود شعوری کی راحت اور آسودگی اور ترقی کرتی ہے۔یہاں تک کہ ایک ایسی انتہا پر پہنچ جاتی ہے کہ ہم اس وقت اسکا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔

(کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ (جو لوگ دنیا میں اللہ کو راضی کریں گے) ان کے لیے اگلی دنیا میں کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔یہ ان اعمال کا صلہ ہوگا، جو وہ کرتے تھے۔)

یہی وہ جنت ہے جس کا ذکر قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

(اے مطمئن جان، اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔میرے بندوں میں مل جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔(صفحہ ۳۶۵))

ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن حکیم نفس (جان) کہتا ہے، وہ لاشعور ہی ہے۔کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شعور اور فوق الشعور یا نفس کے جو اور عناصر تجویز کئے جائیں، وہ سب لاشعور ہی کے وظائف یا اعمال ہیں۔اس آیت میں بھی نفس سے مراد لاشعور ہی ہے:

وفی انفسکم افلا تبصرون۔

اور اللہ کی محبت تمہارے نفس میں (یعنی لاشعور میں) میں رکھی گئی ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔

تاہم لاشعور کی اصطلاح اکثر لاشعور کے اس حصہ کے لیے کام میں لائی جاتی ہے، جس کی خدمت کے لیے شعور اور فوق الشعور کے وظائف ظہور میں آئے ہیں۔

عبادت جذبۂ لاشعور کے اظہار کا صحیح اور کامیاب طریق ہے۔یہی وجہ ہے کہ عبادت سے انسان کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔قرآن نے بڑے زور سے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔(صفحہ ۳۶۵)

فرائڈ، دعا اور عبادت کی اہمیت محسوس کرتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ عبادت سے نفس انسانی کے مختلف طبقات میں ردو بدل ہو جاتا ہے۔ شعور، فوق الشعور سے یعنی آدرش کے بے رحمانہ مطالبات سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور لاشعور دائرہ شعور میں آجاتا ہے۔دوسرے الفاظ میں وہ اعتراف کرتا ہے کہ عبادت کے ذریعہ سے انسان کا لاشعور مناسب تشفی اور اطمینان پاتا ہے اور ذہنی امراض

کے امکان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اعتراف کے ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ تحلیل نفسی کا مقصد بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''بالکل ممکن ہے کہ صوفیوں کے بعض طریقے نفس انسانی کے مختلف طبقات کے معمولی تعلقات کو بدل ڈالیں۔ مثلاً اس طرح سے کہ قوت ادراک شعور اور لاشعور کی بعض ایسی گہرائیوں پر حاوی ہو جائے، جو بصورت دیگر اس کی دسترس سے باہر ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ طریقے ہمیں ایسے ابدی حقائق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جس سے ساری برکتوں کا ظہور ہوگا، یہ بات مشکوک ہے۔ تاہم ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ ہم نے بھی تحلیل نفسی کی معالجانہ کوششوں میں یہی طریق کار اختیار کر رکھا ہے، کیونکہ ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایغو کو مضبوط کیا جائے، اسے فوق الشعور سے الگ کر دیا جائے، اس کا مطمح نظر وسیع کر دیا جائے اور اس کی تنظیم کو پھیلا دیا جائے تاکہ وہ لاشعور کے کچھ حصوں پر حاوی ہو جائے اور جہاں پہلے لاشعور تھا، وہاں شعور موجود ہو جائے۔'' (صفحہ ۳۶۶)

''بہر حال فرائڈ کا یہ شبہ ہمارے اس نتیجہ کو اور تقویت پہنچاتا ہے کہ جذبۂ لاشعور کی حقیقت اللہ کی محبت یا حسن و کمال کی محبت ہے اور یہی وہ نتیجہ ہے جو ہمیں فطرت انسانی کے ان ابدی حقائق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، جن سے فی الواقع نوع بشر کے لیے تمام برکتوں کا ظہور ہوگا۔ کیونکہ یہ نتیجہ انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۳۶۷)

لاشعور کے دفتر اعمال کی حیثیت

''فرائڈ کو معلوم نہیں کہ قرآن نے آج سے بہت پہلے نہ صرف یہ کہہ دیا تھا کہ ہر عمل جو انسان سے سرزد ہوتا ہے، نفسِ انسانی میں تاقیامت جوں کا توں محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ انسانی اعمال کی حفاظت کے اس قدرتی اہتمام کے اندر کونسے مقاصد اور کونسی حکمتیں اور علتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر فرائڈ فلسفیوں کو دعوتِ فکر دینے کی بجائے قرآن کی طرف رجوع کر سکتا تو اپنے ذوق دریافت کی تسکین کا پورا سامان وہاں پاتا اور فرائڈ کو معلوم نہیں کہ نبوت کی راہ نمائی کے بغیر فقط ذہن کی کاوشوں سے لاشعور کے ان اوصاف کے رموز کاوشوں کو بہت دور تک صحیح راستہ پر لے جاسکتی ہے۔ (صفحہ ۳۷۴)

قرآن انسان کے نامۂ اعمال کے متعلق تین باتیں بیان کرتا ہے:

اول یہ کہ وہ انسان سے الگ نہیں ہوتا، بلکہ اسی کا ایک جزو ہوتا ہے۔

وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ۔

ہر انسان کے اعمال ہم نے اس کی گردن میں لٹکا دیئے ہیں۔

گویا انسان کا نامۂ اعمال اس سے باہر کی کوئی قوت نہیں لکھتی، بلکہ اس کی اپنی فطرت کی قوتیں ہی اسے لکھتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تمام انسانی قوتوں کے عمل پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مامور کر رکھا ہے۔

دوئم۔ یہ کہ اس نامۂ اعمال کے اندر ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل کا اندراج ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن انسان جب اپنا نامۂ اعمال پڑھے گا تو پکار اٹھائیگا۔

مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔

(اس نوشتۂ عمل کو کیا ہے کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں، جو اس سے رہ گیا ہو۔)

سوئم۔ یہ کہ یہ نامۂ اعمال موت کے بعد انسان کے ساتھ جاتا ہے اور انسان اس کے مطابق اچھے اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا پاتا ہے۔

جب تک اس تیسری بات کو نہ مانا جائے، فرائڈ کے نتائج مہمل رہتے ہیں اور دراصل فرائڈ کے دونوں نتائج خود اس تیسرے نتیجہ کی طرف واضح راہ نمائی کر رہے ہیں۔ (صفحہ ۲۷۵)

''فاصلہ اور وقت کے قوانین صرف اس دنیا کے اندر رائج ہیں اور موت کے بعد کی دنیا ان قوانین کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔ موجودہ زندگی میں ہمارا شعوری فعل وقت اور فاصلہ کے قوانین کے مطابق سرزد ہوتا ہے، لیکن اگر فرائڈ کے نتائج کے مطابق ہماری کوئی ذہنی زندگی ایسی ہے، جو ان قوانین کی پابندی سے آزاد ہے تو اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ ہماری یہ زندگی موت کے بعد بھی جاری رہی یعنی ہم موت کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ ہماری موت خود فاصلہ اور وقت کے قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے۔ چونکہ ہمارا لاشعور ان قوانین کے عمل سے وراء ہے، ظاہر ہے کہ موت اس پر وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ فقط جسد عنصری پر وارد ہوتی ہے۔ لاشعور جو اصل انسان ہے، موت سے فنا نہیں ہوتا۔ اور خود لاشعور کا اعمال کو محفوظ رکھنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ لاشعور جسم کا نتیجہ نہیں۔ تین سال

کے بعد جسم کا ہر ذرہ بدل جاتا ہے، لیکن لاشعور کے دفتر اعمال میں نوے برس کے بعد بھی کوئی تغیر، کوئی دھندلا پن، کوئی مغالطہ یا شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ دفتر اعمال جسم سے متعلق ہے تو کہاں رہتا ہے۔ جسم کے کس حصہ میں رہتا ہے اور جب جسم کے ذرات تین سال کے بعد غائب ہو جاتے ہیں تو یہ غائب کیوں نہیں ہوتا۔ اگر یہ مانا جائے کہ لاشعور جسم سے پیدا نہیں ہوتا تو پھر لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ جسم لاشعور سے پیدا ہوتا ہے اور موت جسم کے لیے ہے، لاشعور کے لیے نہیں۔ (صفحہ ۳۷۶)

قرآن کہتا ہے کہ انسان کا کوئی اچھا عمل ایسا نہیں، جس کا انعام وہ نہ پائے اور کوئی برا عمل ایسا نہیں، جس کی سزا وہ نہ بھگتے اور جزا اور سزا میں کسی شخص کے ساتھ معمولی سی معمولی بے انصافی بھی روا نہ رکھی جائے گی۔

ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

(جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا، اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ بھی برائی کرے گا اس کی سزا بھگتے گا۔)

ووفیت کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون۔

(اور ہر جان جو کچھ کمائے گی اس کا پورا بدلہ پائیگی اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کی جائیگی۔)

ہم جانتے ہیں کہ خود شعوری صرف ایک خواہش رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ محبوب حقیقی کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل کرے، لہٰذا اس کی تمام مسرتوں اور راحتوں کا دار و مدار صرف اسی ایک خواہش کی تکمیل پر ہوتا ہے اور اس کے تمام غموں اور دکھوں کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کی یہ خواہش تکمیل نہ پا سکے یا اس کی تکمیل میں بعض رکاوٹیں حائل ہو جائیں۔ لہٰذا خود شعوری کی جنت اللہ کا قرب ہے اور اس کا دوزخ اللہ سے دوری۔ اس کو جنت میں اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں دی جا سکتی کہ اسے یقین دلا دیا جائے کہ اسے اللہ کی رضامندی حاصل ہو گئی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کچھ اور وہ چاہتی ہی نہیں۔ (صفحہ ۲۷۷)

اس دنیا میں خود شعوری کا دوزخ یعنی وہ عمل جو اسے محبوب حقیقی سے دور ہٹاتا ہے، تکلیف دہ نہیں ہوتا، بلکہ خوشگوار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں خود شعوری شاذ ہی اپنے محبوب سے جدا ہونے کا

احساس کرتی ہے۔ عین فراق کی حالت میں بھی وہ جھوٹے اور نقلی خداؤں یعنی غلط اور ناقص نصب العینوں سے اپنے آپ کو تسلی دے لیتی ہے، کیونکہ اپنے ہر غلط نصب العین کو وہ محبوب حقیقی سمجھتی ہے، جب تک اس کی غلط محبت کامیاب ہوتی چلی جائے، وہ سمجھتی ہے کہ وہ خود محبوب حقیقی کے قرب کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ (صفحہ ۳۸۱)

''لہٰذا اس دنیا میں اس کا دوزخ ایک جنگ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہی ہے شیطان کا تزئینِ اعمال جس کا ذکر قرآن میں بار بار آتا ہے۔

وزین لھم الشیطان اعمالھم

اور شیطان نے ان کو ان کے بُرے اعمال خوبصورت بنا کر دکھائے ہیں۔

لیکن جب محبوب حقیقی کے ان مصنوعی جانشینوں یعنی غلط آدرشوں کے نقائص عیاں ہو جاتے ہیں اور وہ بے وفا ثابت ہو جاتے ہیں، جیسا کہ دیر یا بدیر لازماً انہیں ہونا ہے تو خود شعوری اس حیات ارضی میں دوزخ کا مشاہدہ کرتی ہے، کیونکہ پھر اسے محبوب کے شدید فراق کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس غم، خوف، حزن، ذہنی پریشانی ہسٹریا اور جنون کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تاہم احساسِ فراق کی یہ تکلیف خواہ کیسی ہی شدید ہو، دنیا میں اپنی پوری اور اصلی شدت میں نمودار نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے پسِ منظر میں شعوری یا غیر شعوری امید کی ایک جھلک ہمیشہ موجود رہتی ہے یعنی ایک اور آدرش بچھڑے ہوئے محبوب کی جگہ لینے کے لیے قریب ہی موجود ہوتا ہے اور وہ فی الفور آ کر خود شعوری کو اس کی تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ (صفحہ ۳۸۲)

''خود شعوری اپنے دوزخ کی پوری شدت کا سامنا اس وقت کرتی ہے، جب بدبختی سے محبوب کے اس فراق کے دوران میں اس کی ارضی زندگی ختم ہو جائے اور وہ اس کیفیت کو لے کر اگلی دنیا میں پہنچ جائے۔ اس وقت خود شعوری پر حزن، خوف، رنج اور پریشانی کی بدترین کیفیت طاری ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت اس کے لئے فریب کھانا ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا تمام غلط نصب العین محبوب حقیقی کے تمام نقلی جانشین، یکسر غائب ہو جاتے ہیں اور تمام جھوٹی تسلیاں یک قلم موقوف ہو جاتی ہیں۔ اس حالت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ورا والعذاب وتقطت بھم الاسباب۔

(انہوں نے عذاب کو سامنے دیکھ لیا اور تمام علائق ان سے کٹ گئے۔)

وضل عنھم ماکانو یفترون۔

(اور جھوٹ جو انہوں نے گھڑ لیا تھا ان سے غائب ہو گیا۔)

اس وقت خود شعوری کو اپنی زندگی میں پہلی دفعہ اپنی انتہائی محرومی یعنی محبوب سے اپنی مکمل اور لاعلاج دوری کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ایک ایسے ذہنی عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے، جس کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اس دنیا میں ہماری بدترین پریشانیوں، بدبختیوں اور مصیبتوں کو اس شدید ذہنی عذاب کی کیفیت سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ (صفحہ ۳۸۳)

''اور پھر ان کی جبلتی خواہشات کا حیاتیاتی جبر اس کی خود شعوری کی آزادی کو سلب کرنے اور دبانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ اس کا بنا بنایا کام بگڑ نہ جائے۔ وہ ہر وقت متفکر رہتا ہے اور کوشش کرتا رہتا ہے کہ اس کی پاک محبت ناپاک محبتوں سے ملوث نہ ہو جائے اور وہ ہمیشہ خالص اور مخلص اور یک بین و یک اندیش رہے، وہ چاہتا ہے کہ محبت کے راستہ کی تمام مشکلوں پر عبور پائے اور تمام آزمائشوں میں پورا اترے، تاکہ اس کی محبت میں کوئی ضعف یا نقص پیدا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اس دنیا میں اس کی زندگی ایک قید خانہ سے کم نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۳۸۴)

انسانیت کی موجودہ حالت زار

اور بچاؤ کی تدابیر

کرونا وائرس

ہمارے لئے لمحہ فکریہ

انسانیت آج جس وبا میں مبتلا ہے، اگر خود احتسابی سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ فراموشی، انسانیت کی پامالی، انسان آزاری کی عمومی روش، دولت پرستی، مظلوموں کے خون سے اللہ کی زمین کو لالہ زار کرنے، عالمی اور مقامی سرمایہ دار کی طرف سے اپنے مفادات کی خاطر کروڑوں انسانوں کو بھوکوں مارنے جیسے جرائم کی یہ سزا ہے، جو ہمارے لئے انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور آخرت کی بڑی سزا سے پہلے اسے چھوٹی سزا قرار دیا گیا ہے۔

قرآن میں سورہ سجدہ آیت نمبر ۲۱ میں ہے: '' ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے کہ شاید یہ رجوع کر لیں''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کو سنبھلنے، بیدار ہونے، اپنی روش سے باز آنے اور توبہ اور آہ وزاری کرنے، اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اپنی زندگی کے رخ کو بدلنے کے سلسلے میں اس طرح کے عذاب انتباہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب قومیں یا انسانیت، کائنات کی خالق ہستی کو آخری حد تک فراموش کر کے، اللہ کی زمین کو فساد سے بھر دیتی ہے اور اقتدار اور طاقتور ہونے کے نشہ سے چور ہو کر، اپنے جیسے انسانوں کے لئے اللہ کی زمین کو تنگ کر دیتی ہیں اور سرکشی اور بغاوت کی راہ پر گامزن ہوتی ہیں تو قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے اور قوموں اور انسانوں پر عتاب کا نزول ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل عذاب تو آخرت کا عذاب ہے، انسانیت کو آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اس طرح کے چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ذریعہ بیدار کرنے،

سنبھلنے اور خود احتسابی سے کام لینے کے لئے ابھارا جاتا ہے، چونکہ انسانی فطرت میں توحید کا تقاضا موجود ہے، اور حق وصداقت کی بہت ساری چیزیں فطرت کا حصہ ہیں، اس لئے انسان اگر اس طرح کی وباؤں سے بیدار ہو کر، فطرت کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کرے تو فطرت اسے اپنے جرائم سے آگاہ کر کے، ان جرائم سے باز آنے اور توحید کی راہ پر گامزن کرنے میں کردار ادا کر سکتی ہے۔

ایسے جرائم جن کا تعلق اللہ کی مخلوق پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے اور انسانیت کی پامالی سے ہو، یہ جرائم ناقابل معافی ہیں، ان کی سزا خود اسی دنیا میں زندگی اجیرن بن جانے، کروڑ پتی اور ارب پتی ہونے کے باوجود احساس تنہائی کے عذاب میں مبتلا ہونے، سرمایہ کے بیک وقت ڈوب جانے اور موت کے شدید خوف وہراس کی صورت میں بھگتنا پڑتی ہے۔

جب ظالم انسانوں کو روکنے والا کوئی ہاتھ موجود نہیں ہوتا تو پھر قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے، اور مختلف سزاؤں کی صورت میں قدرت کا یہ عتاب سامنے آتا ہے، اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ دولت پرستی کے مظاہر اور نفس پرستی سے باز آکر، اپنے خالق ومالک کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے اور قناعت کے ساتھ زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہوا جائے، اسے صحیح الفاظ میں رجوع الی اللہ بھی کہا جائے گا، بلکہ ضرورت ہے کہ انسانیت کی سطح پر فطرت میں موجود صلاحیتوں کو بیدار کر کے، رجوع الی اللہ کی تحریک شروع کی جائے۔

آخرت میں جہنم کا عذاب اتنی بڑی سزا ہے کہ دنیا کی سزائیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، ضرورت ہے کہ مسلمان جو حق وصداقت کے پیام کے علمبردار ہیں، وہ مقامی سطح سے لے کر عالمی سطح تک انسانیت کو اللہ کے دائمی عذاب سے بچانے کے سلسلے میں دعوتی کردار ادا کریں۔

اس دعوتی کردار کے لئے خود مسلمانوں کو اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات سے ہمہ آہنگ کرنا پڑے گا۔

موت کے دھیان کے غلبہ کا زندگی کو بدلنے میں اہم کردار

بزرگان دین کے یہاں دل کو دنیا کی محبت سے نکالنے کے سلسلے میں ذکر کے ساتھ ساتھ مراقبۂ موت کو بھی اہمیت حاصل ہے، مراقبۂ موت ایسی چیز ہے، جس سے دل، دنیا کے حوالے سے سرد ہو جاتا ہے اور خواہشات کا زور ٹوٹنے لگتا ہے، انسان کی عام طور پر حالت یہ ہے کہ صبح سے رات گئے تک دنیا کے حوالے سے تفکرات کا غلبہ رہتا ہے اور مادی زندگی کے مستقبل کی فکر مندی غالب رہتی ہے، مثلاً معلوم نہیں، مادی اعتبار سے میرا مستقبل کیا ہوگا، میرے کاروبار اور ملازمت میں ترقی کے امکانات ہوں گے بھی یا نہیں، اس طرح کے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے، جس میں لگ بھگ ہر فرد گھرا رہتا ہے۔

اس طرح کی صورتحال سے بچنے میں مراقبۂ موت اہم کردار ادا کرتا ہے اور وہ مادی نوعیت کے خیالات کی لہروں کو روک کر، موت کے وقت کے منظر اور موت کے بعد کی زندگی کے خیالات کو غالب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، ذہن کی ساری خیالی قوت کو موت کے منظر کی طرف مرکوز کرنا پڑتا ہے، آج کل اس طرح کے مراقبۂ موت کی میں آسانی ہوگئی اس لئے کہ موت کا یہ موجودہ آزمائش کا ہمارے لئے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ موت (جسے ہم مادی زندگی کی گہما گہمی کی وجہ سے بھلا چکے ہیں) اس موت کی تیاری کی فکر کریں، اعمال صالحہ کی طرف لوٹیں اور خواہشات کو لغام دیں، موجودہ ابتلا وآزمائش کا یہ سبق ایسا ہے، جو اللہ سے روٹھے ہوئے افراد کو اللہ سے قریب سے قریب تر کرنے اور اس سے محبت کا تعلق قائم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اگر ہم اس سبق کو یاد کرنے اور پختہ کرنے میں کامیاب ہوئے تو یہ ہماری بڑی خوش نصیبی شمار ہوگی، یاد رکھیں کہ مادی زندگی کی ہر وقت کی فکر مندی، دل اور روح کو کدورت سے بھر دیتی ہے، اس سے منفی خیالات فرد کی ساری شخصیت میں ہیجان اور تلاطم برپا کر دیتے ہیں، جب کہ اللہ سے محبت، اس کی عبادت اور اس کے ذکر وفکر سے سکون، خوشی اور بے پناہ حلاوت حاصل ہوتی ہے اور اس سے انسانی شخصیت میں ٹھہراؤ اور توازن پیدا ہو جاتا ہے، اللہ کی معیت (ساتھ) نصیب ہوتی ہے، اور اللہ کے انوار حسن سے بہرہ وری ہوتی ہے۔

اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں میں بھی بڑی بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، اس طریقے سے بندوں کو جھنجھوڑا جاتا ہے اور اپنی طرف راغب کرنے پر اکسایا جاتا ہے اور زندگی کے رنگ ڈھنگ کو بدلنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ کسی بندہ مومن کے لئے اللہ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے، جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے، جو اس کے لئے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔''

اس حدیث شریف کو بہت سارے افراد پر لاگو کیا جا سکتا ہے، ہر وہ شخص جو ابتلا و آزمائش سے بیدار ہو کر، رجوع ہوتا ہے اور اپنی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو بدلنے پر آمادہ ہوتا ہے، وہ اس حدیث شریف کا مصداق ہے۔

ہمارے لئے تین سبق

کرونا وائرس کی وبا پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، اس سے بچاؤ کے لئے جہاں ظاہری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، وہاں اس وبا کے اصل محرکات و اسباب کو **سمجھکر**، اسے دور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

کرونا وائرس کے بارے میں دینی شخصیتوں کا یہ تجزیہ کہ یہ اللہ کی ناراضگی اور عتاب کی علامت ہے، اور اللہ کی یہ ناراضگی اللہ کی عبادت و معرفت اور اس کی اطاعت سے سرکشی اور دوری کا نتیجہ ہے۔

کرونا وائرس کا پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ کی معرفت کی راہ اختیار کی جائے، معرفت کی یہ راہ اس کی اطاعت اور اس کے احکامات پر مخلصانہ طور پر عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عبادت و مخلصانہ اطاعت انسان کو مہذب بناتی ہے، اس کی شخصیت سے ظلم و شر کے اثرات کو کالعدم کرتی ہے، اور اسے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کرتی ہے۔

کرونا وائرس کا دوسرا سبق یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق جو اللہ کے کنبہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی پامالی اور اس پر بالادستی حاصل کرنے اور اسے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کی روش سے باز آیا جائے اور انسانوں کو اپنے جیسے انسان سمجھکر، اسے اپنے جیسے حقوق دیئے جائیں، اس لئے کہ انسانوں کی پامالی اور ان پر ظلم و ستم کی روش اللہ کے عتاب کو بڑھانے کا موجب ہے۔

کرونا وائرس کا یہ ایسا سبق ہے، جو دنیا بھر کے مقتدر، مؤثر، حکمران اور مالدار طبقات کو جھنجھوڑ کر، انہیں حقیقی انسانیت، انسان نوازی اور طرز معاشرت میں مساویانہ روش پر گامزن کرنے کا باعث ہے۔ گروہوں اور افراد کے ساتھ ظالمانہ روش ایسی چیز ہے، جس کی سزا خود اسی دنیا میں ملتی ہے۔

دنیامیں عرصہ سے بالادست طبقات کی طرف سے عالمی سطح سے لے کر شہروں کی سطح تک اللہ کی مخلوق کو نشانہ ستم بنانے کی جو روش جاری ہے، اس روش کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

کروناوائرس کا تیسرا سبق یہ ہے کہ عالمی سطح سے لے کر شہروں کی سطح تک ہر طرح کے ظلم کو روکنے کے لئے منظم اور مؤثر تحریک کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اس طرح کی تحریک کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے کہ قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے، اور اس قانون کی زد میں خاموش رہنے والے نیک لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ تیسرا نکتہ ایسا ہے جس پر مزید گفتگو کی ضرورت ہے۔

ظلم نام ہے اپنی حدود سے تجاوز کرنے اور حد اعتدال سے نکلنے کا، یہ ظلم جب انفرادی سطح پر ہو تو اگرچہ اس وقت بھی وہ بُرا ہے، لیکن جب یہ ظلم قوموں کی سطح پر ہو۔ اس ظلم سے انسانیت پامال ہوتی ہو تو اس سے انسانی معاشرہ حیوانی معاشرہ میں تبدیل ہونے لگتا ہے، معاشرہ کو حیوانی نوعیت کے معاشرہ سے بچانے کے لئے مذہبی اصطلاح میں امر بالمعروف اور نھی عن لمنکر کی ضرورت ہے، اور معاشرہ میں ایسے گروہ کا موجود ہونا اور طاقتور ہونا ضروری ہے، جو بُرائی کو روکنے کے سلسلے میں اپنے حصہ کا بھرپور کردار ادا کرے، اگر معاشرہ میں سرے سے ایسا طاقتور اور منظم گروہ موجود نہیں ہے تو دنیا فساد سے بھر جاتی ہے، اس فساد کی صفائی کے لئے قدرت کی طرف سے عتاب نازل ہوتا ہے، اس وقت ہم اللہ کی طرف سے اسی طرح کے عتاب کا شکار ہیں، اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ہم اجتماعی طور پر توبہ کریں، اور معاشرہ میں رجوع الی اللہ کی تحریک کو طاقتور بنائیں یا اس تحریک کو طاقتور بنانے میں اپنے حصہ کا کردار ادا کریں۔

دنیاوی زندگی اور موت کی اصلیت

موت سے خوف زدگی ایک حد تک فطری بات ہے، لیکن چونکہ موت اٹل حقیقت ہے، اس لئے اس سے فرار ممکن نہیں، اصل بات موت کی تیاری کی کاوشوں کا ہونا ہے کہ فرد حتی الامکان توشہ آخرت جمع کرے، اگرچہ رب کائنات کے سامنے پیش ہو کر سرخرو ہونا، اس کے فضل خاص پر منحصر ہے، تاہم اس کا فضل بندہ کی ہر ممکن حد تک کاوشوں پر منحصر ہے، موت کے وقت اور موت کے بعد کا منظر ایسا ہے، جس پر بڑے بڑے اولیا کانپتے ہوئے گئے ہیں۔

اس معاملے میں بندہ مومن کے لئے صحیح لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ خوف کے ساتھ ساتھ امید کا دامن تھامے رہے یعنی خوف اور امید کے درمیان والی حالت پر قائم رہے اور موت سے غفلت کی حالت کو طاری ہونے نہ دے۔

موت کی حقیقت مادی دنیا سے اصل دنیا کی طرف منتقلی کی ہے، اس لئے موت کو انتقال بھی کہا جاتا ہے، موت بندہ مومن کے لئے محبوب سے ملاقات کے لئے پل کی حیثیت رکھتا ہے۔

موت ڈیوٹی کی مہلت کے خاتمہ اور ڈیوٹی کے دوران سرانجام دیئے جانے والے اعمال کے صلہ کا مرحلہ ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی یہ مختصر سی زندگی ابدالاباد والی زندگی کے نفع یا خسارہ کے امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

موجودہ دور میں مادیت کی ہمہ گیر وہمہ جہتی لہر کی وجہ سے عام طور پر موت سے غفلت کی فضا غالب ہے اور بڑے سے بڑا واقعہ بھی افراد کو بیدار ہو کر، موت کی تیاری کی کاوشوں میں مصروف رکھنے میں کامیاب نہیں، اس لئے کہ دنیا و مادیت میں غیر معمولی انہماک موت کی تیاری کے سلسلے میں حجابات پیدا کر دیتا ہے، مادیت کے ان حجابات سے بچنے کی بہتر اور مؤثر صورت وہی ہے، جو بعض

بزرگان دین نے پیش کی ہے، بزرگوں کا کہنا ہے کہ فرداً گر وقت کی صحیح تقسیم کی صورت پیدا کرے تو دنیا و آخرت کے حوالے سے اس کی زندگی توازن سے ہمکنار ہو سکتی ہے، وقت کی وہ تقسیم اس طرح ہے آٹھ گھنٹے روزگار کے لئے، آٹھ گھنٹے آرام کے لئے، آٹھ گھنٹے عبادت و ذکر کے لئے، بزرگوں کی پیش کردہ اس تقسیم کو شاہ ولی اللہؒ نے بہتر طور پر پیش فرمایا ہے۔ وقت کی یہ تقسیم ایسی ہے کہ اگر اسے اختیار کیا جائے تو دنیا و مادیت کے حوالے سے لاشعور کو شعور کو زیر و زبر کرنے، اودھم مچانے اور آخرت کی زندگی پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے کا موقعہ نہیں ملتا، بلکہ لاشعور اور باطن میں عبادت و ذکر کے انوار کا ذخیرہ اتنا زیادہ جمع ہوتا ہے کہ اول تو مادیت کی طوفانی لہریں پیدا نہیں ہوتی، اگر یہ لہریں اٹھتی بھی ہیں تو باطن میں اس کی مزاحمت کی استعداد موجود ہوتی ہے۔

عاجزی، انکساری، اور اللہ کے در پر سجدہ ریزی کی راہ اختیار کرنا

کرونا وائرس نے بالخصوص مغربی ممالک کو بڑی شدت سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس بیماری پر کنٹرول کرنے کی اب تک کی ساری تدابیر بے اثر ثابت ہو رہی ہیں، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ وبا ایک قدرتی آفت ہے، اس سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ عاجزی، انکساری اور چھوٹے پن کی راہ اختیار کی جائے اور اللہ کی مخلوق پر اپنی خداوندی کو مسلط کرنے اور ان پر اپنی مادہ پرست تہذیب کے رنگ کو غالب کرنے کی روش سے نہ صرف باز آیا جائے، بلکہ اپنی مغرورانہ روش پر اللہ کے حضور معافی مانگی جائے اور آئندہ اللہ کے عاجز بندے کے حیثیت سے زندگی گزارنے کا عہد کیا جائے، کرونا کی بڑھتی ہوئی وبا اور اس کے اثرات سے بچنے کی یہی صورت ہے۔

لیکن یہ راہ اختیار کرنے میں بڑی رکاوٹ وہ مغربی نظریات ہیں، جو انسان، تخلیق کائنات اور خالق کائنات کے بارے میں مغربی فلاسفروں نے پیش کئے ہیں اور اہل مغرب نے اپنے ریاستی، اجتماعی اور تعلیمی نظام کو انہی نظریات کی بنیاد پر استوار کیا ہے، ان نظریات سے صرف نظر کر کے عاجزی، انکساری، چھوٹے پن اور اللہ کے حضور معافی مانگنے کی راہ کی طرف آنا، اہل مغرب کے لئے نہ صرف مشکل ہو رہا ہے، بلکہ مذکورہ نظریات اس راہ میں حجاب بن کر سامنے آرہے ہیں۔

اہل مغرب قدرت کی اس آفت کے مذکورہ سب سے بڑے سبق کو سمجھنے میں جتنی تاخیر کا مظاہرہ کریں گے، وہ قدرت کی اس آفت کا اتنی زیادہ شدت سے شکار ہوں گے اور اس آفت میں اگر کمی بھی واقع ہوئی تو بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور معاشی زوال کی صورت میں اس کی سزا سے بچنا ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔

قدرت کو قوموں کی سب سے بُری ادا جو ناپسند ہے، جس پر دیر یا سویر سزا مل کر رہتی ہے، وہ اللہ کی مخلوق پر اپنی خداوندی کو مسلط کرنے اور ان کی قتل و غارت گری کی روش ہے، اس معاملے میں اہل مغرب نے پچھلے سو ڈیڑھ سو سال میں ساری انسانی تاریخ کے رکارڈ توڑ دیئے ہیں، جو ان کی سنگ دلی اور مادیت پر مجنونانہ فدائیت کی نشاندہی کرتی ہے، انسانیت کی کھیتی کا اجڑنا اور انسانیت کا موت کا

شکار ہوتے رہنا، چونکہ محبت کے حامل انسان کے لئے تکلیف دہ اور اذیت کا باعث ہے، اس لئے اب تک انسانی قافلہ کی سربراہی کے دعویدار اہل مغرب کو ہمارا دردمندانہ مشورہ ہے کہ وہ مادہ پرستی کے نظریات سے صرف نظر کر کے، اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر کے اس کے عاجز بندوں کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا عہد کریں۔ ان کی طرف سے اجتماعی طور پر توبہ کی اس روش سے انشاءاللہ اس سزا سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوگی اور انسانیت معاشی بحران سے بھی بچ جائے گی۔

پوری انسانیت کا بڑا جرم جو قدرت کی ناراضگی کا موجب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اہل مغرب کی اللہ سے بڑھتی ہوئی سرکشی، پاکیزہ اسلامی تہذیب کو مٹانے کی کاوشوں اور اس کی طرف سے انسانیت کی پامالی اور قتل وغارت گری کی کوششوں کی نہ صرف انسانی سطح پر مزاحمت اور روک تھام کی صورت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ انسانیت نے بالواسطہ یا براہ راست اس معاملے میں اہل مغرب کی معاونت کی (بالخصوص ہر ملک کے حکمران اور مؤثر طبقات نے) اب ضرورت ہے کہ انسانیت اجتماعی طور پر اللہ سے معافی طلب کرے اور اس کے آگے جھکنے کی روش اختیار کرے، ایسا کرنے سے اللہ کے عتاب کی جگہ اس کی رضا کی صورت پیدا ہوگی اور کرونا وائرس کے خاتمہ کے بعد بے روگاری کی خوفناک صورت جو واضح طور پر نظر آرہی ہے، اس کے تدارک کی صورت بھی پیدا ہوگی۔

اس سلسلے میں قرآن کی متعدد آیتوں میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے، یہاں سورۃ الاعراف آیت نمبر ۹۶ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ''اگر یہ دیہاتی ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے لئے زمین وآسمان کی رحمتوں کے (دروازے) کھول دیتے۔''

طاقت اور مادی خوشحالی کی کچھ ''خرابیاں''

جدید صورتحال کے پس منظر میں

طاقت اور مادی خوشحالی عام طور پر افراد اور قوموں کو ذہنی طور پر غیر متوازن بنادیتی ہے اور ان میں یہ خبط پیدا کردیتی ہے کہ دنیا میں شان ومان سے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا استحقاق صرف انہیں حاصل ہے اور دوسری قوموں کو ہر صورت میں ان کے ماتحت اور زیردست حیثیت سے زندگی گزارنا چاہئے، اپنی بالادستی وبالاتری کا یہ خبط ایسا ہے، جو انہیں کمزور قوموں پر ظلم وستم ڈھانے پر آمادہ کرتا ہے۔

زیادہ طاقت اور زیادہ مادی خوشحالی کا دوسرا نقصان جو ہوتا ہے، وہ خود فراموشی اور اللہ فراموشی ہے، خود فراموشی اور اللہ فراموشی کا لازمی نتیجہ فطرت سلیمہ کے اجزاء کے مکمل خاتمے اور باطن کی ویرانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، ایسے افراد اور ایسی قوموں سے اپنی ظالمانہ روش کے نتائج اور قانون مکافات کا ادراک سلب ہوجاتا ہے اور وہ تیزی سے اللہ کی مخلوق پر اپنی فکری، معاشی اور سیاسی بالادستی حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہوتی ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس راہ میں اگر مذہب اور پاکیزہ تہذیب رکاوٹ ہے تو اس مذہب اور پاکیزہ تہذیب کو راہ سے ہٹایا جائے۔

بالادست قوموں وافراد سے یہ نکتہ فراموش ہوجاتا ہے کہ یہ زمین اور اس کی مخلوق اللہ بادشاہ کی ہے، اس کی زمین کو فساد سے بھرنے اور اس کی مخلوق کو پامال کرتے رہنے سے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا قانونِ مکافات حرکت میں آتا ہے اور اس کی سزا مل کر رہتی ہے۔

طاقتور اور مادی خوشحالی کی حامل قوموں کی ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ عیش عشرت میں غرق ہوتی ہیں، زنا وشراب ونشہ عام ہوتا ہے، وہ عورت کی مکمل آزادی اور ہمہ جنس پرستی کی علمبردار ہوتی ہیں، وہ زندگی کے ہر موڑ پر عورت کو اپنے ساتھ اس لئے رکھتی ہیں، تاکہ جنسی جذبات کی تسکین کی

صورت پیدا ہو سکے۔ طاقتور اور غالب قوموں کی کوشش ہوتی ہے کہ مادہ پرستی پر مبنی ان کی تہذیب غالب ہو اور اس کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں ختم ہوں۔

ماضی کی طاقتور، غالب اور مادی اعتبار سے مستحکم قوموں کی یہی ''خصوصیات'' رہی ہیں، جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ ''خرابیاں'' ایسی ہیں، جو اللہ کی زمین کو فساد سے بھر دیتی ہیں، چنانچہ اللہ کا قانون مکافات حرکت میں آتا ہے اور چھوٹی چھوٹی سزائیں ملنا شروع ہو جاتی ہیں، مقصود یہ ہوتا ہے کہ طاقتور قومیں اور ان سے معاونت کرنے والی دوسری قومیں خود فراموشی اور اللہ فراموشی کی اپنی روش سے باز آجائیں اور اللہ کی زمین اور مخلوق پر بالادستی، ظلم و ستم اور مادی تہذیب کے غلبہ سے دستبردار ہو کر اللہ شناسی کی راہ اختیار کریں۔

اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال افراد کو حکم (طبعی) دیتے ہیں اور وہ لوگ اس بستی میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں پھر وہ بستی عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے پھر ہم اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ (بنی اسرائیل ۱۶۔۱۷)

''ہم نے تم سے پہلی قوموں میں بھی اس طرح پیغمبر بھیجے اور ان کو سختی اور تکلیف میں گرفتار کیا، تاکہ شاید وہ ہماری طرف عاجزانہ جھکیں پس جب ان پر ہماری طرف سے مصیبت آئی تو کیوں نہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائے مگر ان کے دل تو سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا تھا۔ (سورۃ انعام ۴۲۔ ۴۳)

انسانیت کی ابدی زندگی کی فکر مندی اور اس کے لئے اضطراب کی ضرورت

مادہ پرستی پر مبنی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے انسان ذات، دنیا میں اللہ کے عتاب کے ساتھ ساتھ آخرت کی ابدالاباد والی زندگی میں جس سزا سے دوچار ہوگی، اس کی جتنی بھی فکر مندی ہو، کم ہے۔

یہ بڑا اہم سوال ہے کہ انسانیت کو آخرت میں ملنے والی سزا سے بچانے کی صورت کیا ہو؟ بہت دشوار گزار سوال ہے، اس کا مختصر جواب تو یہی ہے کی توحید کو اتنی بلند آہنگی سے پیش کیا جائے کہ انسان کی فطرت بیدار ہو جائے اور وہ فطرت کی گہرائیوں میں ودیعت شدہ عقیدہ توحید کو اختیار کرلے، عقیدہ توحید کا لازمی نتیجہ عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت ہے۔

انسانیت تک عقیدہ توحید پر مشتمل پاکیزہ تہذیب کی دعوت پیش کرنا، یہ مسلمانوں کی ایسی ذمہ داری ہے، جس سے وہ کسی بھی طور پر سبکدوش نہیں ہو سکتے، اللہ کے ہاں اس کی سخت جواب دہی کرنی ہوگی۔

لیکن اس وقت عمومی طور پر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم مادہ پرست تہذیب کے حامل افراد تک اپنی پاکیزہ تہذیب کی دعوت پیش کرنے کی بجائے، ان کی تہذیب سے متاثر ہو کر، عملی زندگی میں سیکولر طرز فکر اختیار کر رہے ہیں، اور ذہنی طور پر ان کی فکر اور تہذیب سے مرعوب ہیں۔

یہی وہ مرعوبیت ہے جو ہمارے لئے اسلامی تہذیب کے حوالے سے خود اعتمادی سے محرومیت کا موجب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے نظام تعلیم کو مغربی فکر کے اثرات سے آزاد کر کے، اسلامی تہذیب سے ہمہ آہنگ نہیں کریں گے، اس وقت تک اسلام کے سچے داعی پیدا کرنا تو دور کی بات ہے، بلکہ مغرب کے فکری مقلدیں ہی پیدا کرتے رہیں گے۔

مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے، دنیا کی یہ زندگی آخرت کی تیاری اور اس کے لئے توشہ جمع کرنے کا ذریعہ ہے، اس اعتبار سے یہ زندگی گزرگاہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے زیادہ نہیں، جب کہ مادہ پرست قوموں کی نظر میں اصل زندگی دنیا ہی کی ہے، اس لئے اسے جتنا خوبصورت اور لذیذ بنا سکتے ہو، بنالو، موت فنا کا نام ہے، موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔

یہ نکتہ نگاہ ایسا ہے جو تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کے خلاف ہے، اور ابدی خسارہ کا حامل ہے۔

یہ ابدی خسارہ ایسا ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ دنیا بھر کے سارے خساروں پر ہزار ہا گنا بھاری ہے، قرآن کی بہت ساری آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہاں کچھ آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۲ ہے '' اس روز کافر اور رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش ان کو زمین میں مدفون کر کے مٹی برابر کر دی جاتی۔''

سورۃ المعارج کی سات آیتوں کا ترجمہ ہے ''اور (اس دن) کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا وہ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے اور مجرم تمنا کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دیدے یعنی اولاد اور اپنی بیوی اور بھائی اور اپنا خاندان، جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی زمین میں ہیں (غرض) سب کچھ دیدے اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لئے (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا، وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے کھال اڈھیرنے والی۔''

سورہ النبا کی آیت نمبر ۴۰ ہے ''اور (اس دن) کافر کہے گا کہ اے کاش میں مٹی ہوتا۔''

مسلمان عملی طور پر جتنا بھی گیا گزرا ہو، وہ بہر حال اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے اسے بداعمالیوں کی سزا مل کر معافی ہوگی، لیکن عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت سے محروم افراد پر اللہ کا عتاب تو دائمی نوعیت کا ہوگا۔

سب سے زیادہ فکر مندی اس کی بات کی ہونی چاہئے کہ انسانیت تک دین کی اتمام حجت کس طرح ہو، مسئلہ پوری انسانیت کا ہے اور دائمی نوعیت کا خسارہ درپیش ہے، انسانیت کے حوالے سے یہ مسئلہ جتنا سنگین ہے، ہم اسے وہ اہمیت نہیں دے رہے ہیں، سبب یہ ہے کہ اس اعتبار سے ہم اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں، اور ہم انسانیت کے مستقبل کی فکر مندی سے بے پرواہ ہیں، اگر اس اعتبار سے انسانیت کی سچی فکر مندی پیدا ہو جائے تو ہمیں بے چین کر کے، دعوت کے راستے نکالنے پر مجبور کرے گی۔

انسانیت کے ساتھ سب سے بڑی ہمدردی اور سچی خیر خواہی یہی ہے کہ انہیں توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت کی طرف لایا جائے اور اس کے لئے عالمی سطح کے دعوتی اداروں کو مستحکم کیا جائے، یہ دعوتی کام ایسا ہے کہ اس کی برکت سے مسلمان اس دنیا میں بھی نوازے جائیں گے (ان کی حالت افلاس دور کر دی جائے گی) تو آخرت میں بھی انعام کے مستحق ہوں گے۔

نئے حالات میں

اہل مغرب اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل

اس وقت انسانیت بالخصوص مغربی ممالک کے جو حالات ہیں، اس میں اللہ پرستی پر مبنی روحانیت کے سایہ میں پناہ لئے بغیر چارہ کار نہیں۔ اس لئے کہ مادیت پرستی پر مبنی معیشت، سیاست، طرز معاشرت وغیرہ نے آج یہ دن دکھائے ہیں کہ قدرت ہم سے نالاں ہے ماتم کی فضا برپا کر دی ہے۔

عالمی سرمایہ دار کے زیر سایہ پوری انسانیت کا جو اجتماعی نظام اب تک چل رہا تھا، اس میں مادیت پرستی کے اجزاء شامل تھے، اور کسی ملک میں یہ دم خم نہیں تھا کہ وہ مادیت پرستی پر مبنی اس نظام کو چیلنج کر کے، اللہ پرستی پر مبنی نظام حیات کو اختیار کر سکے، جس ملک نے بھی جرأت رندانہ سے کام لے کر ایسا کرنے کی کوشش کی، اسے عبرت کا نشانہ بنایا گیا، جس طرح مصر میں صدر مرسی کی حکومت کے ساتھ کیا گیا، افغانستان میں طالبان کی پانچ سالہ حکومت کو ختم کر کے، وہاں فوج کشی کی گئی اور لاکھوں افراد کو شہید کیا گیا۔ نہتے طالبان کے ہاتھوں یورپ اور امریکہ کی مشترکہ قوت کو شکست کا ملنا، یہ بھی قدرت ہی کا کرشمہ ہے۔

اب کرونا وائرس کی بڑھتی ہوئی وبا اہل مغرب اور ان کی سیاسی قیادت کو یہ سوچنے پر مجبور کرے گی کہ کہیں یہ وبا انسانیت کو پامال کرنے اور انہیں اپنا تابع بنانے کی ان کی کاوشوں کا نتیجہ تو نہیں، اگر اہل مغرب کی سیاسی قیادت میں یہ سوچ پیدا ہوگئی تو انسانیت کے بارے میں اس کے رویے اور کردار میں تبدیلی آئے گی، اگر یہ سوچ پیدا نہ بھی ہوئی تو کرونا وائرس کی بڑھتی ہوئی وبا ان کی معیشت کے ڈھانچہ کو اس قابل ہی نہیں رہنے دے گی کہ وہ قوموں اور ریاستوں کی سیاست، معیشت و معاشرت کو پہلے کی طرح مادہ پرستی کی بنیادوں پر استوار کرنے میں بھرپور کردار ادا کر سکے۔

قومیں مادی اعتبار سے کتنی ہی مستحکم اور طاقتور ہو جائیں، اگر وہ خدائی اختیارات کی دعویدار ہو جائیں گی اور انسانوں کے لئے اللہ کی بندگی اور اطاعت کی راہ مشکل کریں گی تو وہ اللہ کے عتاب کا شکار ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی۔

مسلمان ممالک کے لئے یہ سبق ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بننے کی بجائے، اسلام کے اجتماعی نظام کو اختیار کریں اور اپنے نظام تعلیم وتربیت کو اللہ سے محبت کی بنیادوں پر ترتیب دیں اور اسلام سے ہمہ آہنگ ثقافتی بنیادوں کو مستحکم کریں، انشاء اللہ، اللہ کی طرف سے انہیں ہر طرح کے بحرانوں (جس میں معاشی بحران بھی شامل ہے) نکالنے کی صورت پیدا ہو گی۔

اس نکتہ کا دھیاں واستحضار ضروری ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی ملکیت ہے، ان کی کل حیثیت اللہ کے عاجز بندوں کی سی ہے، مخلوق کو یہ ہرگز زیبا نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے مقابلے میں ضد، ہٹ دھرمی اور سرکشی اختیار کرے، ماضی میں جن قوموں نے بھی طاقت کے نشہ میں آکر، یہ روش اختیار کی، وہ اللہ کے شدید عتاب کا شکار ہوئی۔

اللہ کو اپنے بندوں کی سرکشی، ضد، تکبر، شیخی اور بڑے پن کی ادا سب سے زیادہ ناپسند ہے اور بندوں کی یہ ادا ایسی ہے، جو دونوں جہانوں میں خسارہ کی حامل ہے۔

اعمال بد کی سزا کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک یہ کہ قوموں کو اپنی روش پر نادم ہو کر، سنبھلنے اور رجوع ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔اس کا دوسرا پہلو یہ ہوتا ہے کہ اگر قومیں تکبر اور سرکشی میں ساری حدود پھلانگ گئی ہیں اور وہ سنبھلنے کا نام نہیں لیتی تو انہیں دونوں جہانوں میں عبرت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

بالادست قوموں کے تین بڑے گناہ

اس دور میں دنیا کی بالادست قوموں سے تین بڑی غلطیاں اور گناہ ایسے سرزد ہوئے ہیں، جس پر قدرت سخت نالاں ہے اور انہیں اس کی سزا مل رہی ہے کہ کرونا وائرس کی وبا کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہے اور اس کا رخ زیادہ تر دنیا کی بالادست قوموں ہی کی طرف ہے۔

پہلا گناہ بے گناہ انسانوں کا قتل عام ہے، لاکھوں انسانوں کو اپنے مفادات کی خاطر پچھلے سو سال کے دوران قتل کیا گیا، بالخصوص مسلمانوں کو نشانہ ستم بنایا گیا، دوسرا گناہ پاکیزہ تہذیب کو اپنا مد مقابل سمجھکر، اس کو مٹانے کی کوششوں کا ہے، حالانکہ پاکیزہ اسلامی تہذیب کسی کا مد مقابل نہیں ہوتی، وہ انسان کو آداب زندگی اور سلیقہ انسانیت سکھانے کا ذریعہ ہوتی ہے، لیکن بالادست قوموں نے اسلام کی پاکیزہ تہذیب کو اپنے لئے سب سے بڑا چیلنج سمجھکر، اسے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

تیسرا گناہ جو بالادست قوموں سے سرزد ہوا، جس کی وہ سزا کی لپیٹ میں ہیں، وہ مادیت سے جنون کی حد تک محبت اور مادیت پرستی پر مبنی نظام کو دنیا بھر میں غالب کرنے کی کوششیں ہیں۔

بالادست قوموں کی یہ روش یہ دراصل اللہ کی خداوندی کو چیلنج دینے اور اسے سخت ناراض کرنے کی روش تھی، پھر بے پناہ قتل ہونے والے انسانوں کی آہیں بھی ہیں، جنہوں نے کام کیا، پاکیزہ اسلامی تہذیب جو انسانوں کے نام اللہ کے آخری پیغام کی حیثیت رکھتی ہے، جس تہذیب سے انسانیت کی دنیا وآخرت کی ساری بھلائیاں وابستہ ہیں، سارے مسلمان ممالک کے حکمرانوں پر دباؤ ڈال کر اس تہذیب کو مٹانے میں کردار ادا کرنا، یہ ایسی چیز ہے جو اللہ کو سخت ناراض کرنے کا باعث ہوئی۔

ان تینوں گناہوں کے ذریعہ بالادست قوموں نے اللہ کے عتاب کو دعوت دینے کی آخری حد تک کاوشیں کیں۔

اللہ کی طرف سے عتاب کے نازل ہونے بعد بھی حالت یہ رہی کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے عاجزی، فروتنی، چھوٹے پن اور رجوع کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی مادی قوت پر ہی بھروسہ کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مادیت کا بھوت سوار ہوتا ہے اور بڑے پن کی نفسیات غالب ہوتی ہے تو فطرت سلیمہ کے اجزا مسخ ہو جاتے ہیں اور ضمیر کی قوت فنا ہو جاتی ہے۔

قدرت قوموں کے اعمال بد سے آخری حد تک صرف نظر کرتی ہے اور وہ انہیں سنبھلنے اور ظلم وستم سے باز آنے کا ہر ممکن موقعہ فراہم کرتی ہے، لیکن جب بالادست قومیں باز نہیں آتی اور اللہ کی زمین فساد سے بھر جاتی ہے تو قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے اور ایسی سخت پکڑ ہوتی ہے کہ بچاؤ کے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔

چونکہ بالادست قوموں کے مذکورہ جرائم کو روکنے والی کوئی قوت موجود نہیں ہوتی، بلکہ زیردست قومیں ان کی ان حرکتوں میں معاون ثابت ہوتی ہیں، اس لئے ان معاون قوموں کو بھی جزوی طور پر سزا میں شریک کر لیا جاتا ہے۔

اس سزا سے بچنے کے لئے ہمارے لئے ایک ہی صورت ہے کہ ہم اجتماعی طور پر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر، توبہ تائب ہوں اور آئندہ کے لئے عہد کریں کہ ہم اس کے وفادار اور عاجز بندہ کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی کوشش کریں گے۔

جہاں تک اللہ کی طرف سے بالادست قوموں کی سزا کا تعلق ہے تو اس سزا سے معافی کی صورت بھی یہی ہے کہ اللہ کی قاہرانہ قوت کا ادراک اور شعور حاصل ہو اور اللہ کے مقابلے میں اپنے حقیر تر ہونے اور اپنے سیاہ کار ہونے کا احساس غالب ہو، لیکن بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ بالادست قومیں یہ راہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں، ایسی صورت میں سزا کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک دنیا پر ان کی بالادستانہ حیثیت کا خاتمہ نہ ہو۔

دراصل قدرت اس سزا کے ذریعہ یہ جتانا چاہتی ہے کہ دنیا کا یہ نظام کچھ اصولوں کے ساتھ وابستہ ہے، جب ان اصولوں کی آخری حد تک خلاف ورزی ہوتی ہے اور زمین کو فساد سے بھر دیا جاتا ہے تو قدرت کی طرف سے سزا کا کوڑہ برسایا جاتا ہے اور طاقتور سے طاقتور قومیں اس سزا سے بے بس اور شل ہو جاتی ہیں، اس طرح دنیا پر ان کی بالادستی ختم کر کے، دوسری قوموں کو آگے لایا جاتا ہے۔

ہمارے روحانی ورثے کی امتیازی خصوصیات

اور اس ورثے کو مضبوطی سے تھامتے رہنے کی ضرورت

بیسویں صدی مادی کلچر کے غلبہ کی صدی تھی، جس میں تعیش، آسائش وراحت کے سامان کی فکر مندی غالب تھی، اکیسویں صدی کا لگ بھگ چوتھائی حصہ بھی مادی کلچر کی گہما گہمی میں گزر گیا، لیکن اب کرونا وائرس کے ہمہ گیر اثرات مادی کلچر پر افراد کے اعتماد کو مجروح کریں گے اور روحانیت کی تلاش انہیں نئے کلچر کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور کرے گی۔

اب تک تو اہل مغرب مادی خوشحالی کے نشہ میں مخمور تھے، اہل مغرب سے متاثر ہو کر لگ بھگ سارے ممالک ان کی راہ پر گامزن تھے، لیکن اب مادی خوشحالی کا دور کم ہو جائے گا اور ہر ریاست اپنی معیشت کو سنبھالنے اور لوگوں کے اضطراب اور بے یقینی کی حالت کو درست کرنے اور ہر فرد کو کم از کم دو وقت کی روٹی فراہم کرنے کے لئے فکر مند ہو گی۔

ان حالات میں اہل مغرب کے حالات اس لئے مزید ابتر ہو جائیں گے کہ جس مادی کلچر میں ان کی نشو ونما ہوئی تھی، وہ مادی ترقی وخوشحالی بھی باقی نہ رہے گی، ساتھ ساتھ روحانیت پر مشتمل کلچر تو سرے سے ان کے ہاں ناپید تھا، وہ روحانیت سے ناآشنا رہے، ذہنی سکون کے لئے ان کے ہاں جو تھوڑے بہت مادی نوعیت کے مراقبہ جات یا ہپناٹزم کی جو مشقیں تھیں، وہ مادی اعتبار سے اچھے دنوں میں تو افراد کے کچھ نہ کچھ کام آسکتی تھی، لیکن مادی طور پر بڑے حالات میں اس طرح کی مشقوں سے ذہنی سکون اور قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ ہر گز حاصل نہیں ہو سکتی۔

مسلمان ممالک اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ ان کے پاس روحانیت کا ایک پاکیزہ نظام موجود ہے، جو اچھے اور بُرے دنوں دونوں حالتوں میں افراد کے ذہنی توازن کو برقرار رکھنے، افراد کے ساتھ بے غرضانہ تعلقات کو قائم رکھنے، ہر طرح کے حالات میں اللہ سے مانگنے رہنے، اللہ سے

ملاقات کے دھیان کو غالب کرنے اور دنیا کی نعمتوں سے متمتع نہ ہونے کے باوجود خوشی وراحت کے احساس سے سرشار ہونے کا باعث ہے۔

لیکن مغرب کی تقلید میں ہمارا اوپر کا طبقہ اپنے پاکیزہ روحانی ورثے سے دور ہو چکا ہے اور جدیدیت کی فضا میں نشوونما پانے والی نسلیں بھی اپنے روحانی سرمایے سے ناآشنا ہیں، لیکن اب مادی اعتبار سے زبوں حالی کا ایسا دور آرہا ہے، جو افراد کو ذہنی اور قلبی سکون کے لئے اپنے روحانی ورثے کی طرف راغب کرنے اور اس ورثے سے بھرپور استفادہ کرنے پر مجبور کرے گا۔

ہمارے روحانی ورثے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایمان اور اعتقاد کو مستحکم کرتا ہے، اللہ کی ذات پر یقین کو پختہ کرتا ہے، اللہ کی مدد کو اپنے ساتھ لانے کا موجب بنتا ہے، افراد میں اعمال صالحہ کی قوت کو پیدا کرتا ہے اور انہیں اخلاق حسنہ کا حامل بناتا ہے، نیز اپنے مال میں دوسروں کو حصہ دار بناتا ہے۔

اگر اہل دنیا اس طرح کے روحانی ورثے یا روحانیت پر مبنی کلچر سے آشنا ہو جائے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس روحانیت پر ٹوٹ پڑے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے مادیت کی روح کو اس زور سے پھونکا ہے کہ خود ہمارے اوپر کے طبقات کے لئے اپنا ورثہ بے معنیٰ ہو گیا ہے، تاہم امید کی جاتی ہے کہ نئے حالات افراد کو اپنی پاکیزہ تہذیب اور ایمان ویقین سے سرشار روحانیت کی طرف مائل کرنے پر مجبور کریں گے، اللہ کرے ایسا وقت جلد آجائے۔

کرونا وائرس کا

ایک نیا ورلڈ آرڈر ثابت ہونا

امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر کا اخبارات میں کرونا وائرس کی بڑھتی ہوئی وبا اور اس کے اثرات کے بارے میں بیان شایع ہوا ہے، پہلے ان کا بیان ملاحظہ ہو:

واشنگٹن (این این آئی) سابق امریکی وزیر خارجہ اور امریکی پالیسیوں کے ماہر ہنری کسنجر نے خبردار کیا ہے کہ کرونا کی وبا عارضی نہیں، بلکہ اس کے تباہ کن معاشی اور معاشرتی اثرات آنیوالی نسلوں میں بھی محسوس کئے جائینگے، جبکہ اپنے اثرات کی بنا پر کرونا کی وبا ایک نیا ورلڈ آرڈر ثابت ہو گی۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق انہوں نے مزید کہا کہ کرونا وائرس سے عمرانی معاہدوں کا شیرازہ بکھرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ کرونا کے بعد کی دنیا اس سے پہلے کی دنیا سے مختلف ہو گی۔ امریکہ اور پوری دنیا میں معاشی افراتفری اور بڑے پیمانے پر معاشی تبدیلیاں سامنے آئینگی۔ لہٰذا تمام ممالک اور اقوام کرونا کے نتیجہ میں پوری دنیا میں آنیوالی تبدیلیوں کیلئے تیار رہیں۔'' **(روزنامہ ۹۲ نیوز، اپریل ۱۹۲۰ء)**

کسنجر امریکہ کے بڑے دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں اور وہاں کے مؤثر اور حکمران طبقات میں ان کی رائے کو بڑی قدر وقیمت سے دیکھا جاتا ہے۔

ہنری کسنجر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کرونا وائرس کی سنگینی اور دنیا پر اس کے پڑنے والے اثرات کا پوری طرح اندازہ حاصل ہے۔

کرونا وائرس دراصل انسانیت کا مغربی ممالک کی طرف سے ایک عرصہ سے ہونے والے معاشی استحصال، انہیں ظلم وستم بنانے والی روش اور اسلامی تہذیب کے حامل افراد کے قتل وغارت گری پر مشتمل کردار کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ جب انسانیت ظلم وستم کی حامل قوتوں کے سامنے آخری حد

تک بے بس ہو جاتی ہے، اور ان کی قاہرانہ قوت سے بچاؤ کی اس کی ساری تدابیر ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں تو عین اس وقت قدرت کا قانون مکافات (جزا سزا کا قانون) سامنے آتا ہے اور دنیا پر اپنی خدواندی کو مسلط کرنے والی قوموں کو سزا دے کر، کمزور قوموں کو ان کی سیاسی، عسکری اور معاشی بالادستی اور غلامی سے نجات دلانے کی راہیں ہموار کی جاتی ہیں۔

اب تک تو بالخصوص مسلمان ممالک کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے ریاستی معاملات کے سلسلے میں آزادی سے فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، وہ اگر اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ قانون سازی کا کام کر کے، ریاست کو اسلامائیزیشن کی طرف گامزن کرنے کے لئے کوشاں ہوتے تو مادہ پرست عالمی قوتیں ان کے اس عمل کو اپنی تہذیب کے لئے خطرہ قرار دے کر ان کی شدید مزاحمت سے کام لیتی جس طرح الجزائر اور مصر میں ہوا۔

مسلمان ممالک کی اس بے بسی اور مظلومانہ حالت پر قدرت کو رحم آیا اور اس نے کرونا وائرس جیسے معمولی جرثومے کے ذریعہ مغربی ممالک کی دنیا کو کنٹرول کرنے اور اسلامی تہذیب کو پروان چڑھنے سے روکنے کی صلاحیت واستعداد کو کمزور کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اس عرصہ میں سب سے بڑا جو نقصان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک کا اوپر کا طبقہ سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر خالص مادی طرز فکر کا حامل ہو گیا ہے اور مادی تہذیب سے ان کی دلی وابستگی پیدا ہو گئی ہے۔ اس طبقہ کو بیدار کرنے اور ان کی دل کی آنکھوں سے پردہ ہٹانے اور انہیں جھنجھوڑنے کے لئے ان کے ممالک میں بھی اس وبا کے اثرات کو پھیلا دیا ہے، جس سے اوپر کے طبقات میں خوف وہراس پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی سرمایہ کاری کی صلاحیت بھی بُری طرح متاثر ہوئی ہے۔

اللہ کی ذات پر ایمان رکھنے والی مسلم امت کو سمجھنا چاہئے کہ اس وبا کے ذریعہ جہاں کثرت دولت، اقتدار اور عسکری قوت کی حامل قوتوں کے سر غرور کو توڑنا مقصود ہے، وہاں اس سے مسلم

امت بالخصوص ان کے بالادست طبقات کو جھنجھوڑ کر، اپنی پاکیزہ تہذیب سے وابستہ کرنے اور اس تہذیب کو اپنے ممالک میں عملاً نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہونا بھی پیش نظر ہے۔

مسلمان ممالک اسلام کے پاکیزہ نظام حیات کے عملی نفاذ کے ذریعہ جہاں قدرت کے بے پناہ انعامات سے نوازے جائیں گے، وہاں وہ اسلام کے اجتماعی نظام کے نفاذ کے ذریعہ مادہ پرستی کی ستائی ہوئی انسانیت کے لئے بھی ماڈل ثابت ہوں گے۔

کرونا وائرس کے اس پیام کو سمجھکر، اگر ہم نے اسلام کے پاکیزہ اجتماعی نظام کے نفاذ کی راہ اختیار کی تو ہمیں اس وائرس کے اثرات سے جلد سے جلد نکال کر از سر نو نئی قوت کے ساتھ ابھرنے اور سامنے آنے کا موقعہ ملے گا۔

دوسری صورت میں یہ قدرتی آفت ہمیں گرنے اور بڑھتی ہوئی اقتصادی بدحالی میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سنبھلنے کا موقعہ عطا فرمائے۔

قدرت کا ورلڈ آرڈر اور اس کے

کچھ اہم نکات واصول

امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے کرونا وائرس کو نیا ورلڈ آرڈر کہا ہے، ہماری نظر میں ان کی یہ بات صحیح ہے، لیکن یہ نیا ورلڈ آرڈر اللہ کی طرف سے ہے، قدرت جب انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتی ہے اور یہ دیکھتی ہے کہ وہ اجتماعی طور پر توبہ اور رجوع کی راہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو انہیں آفت میں مبتلا کر کے، ان کے پورے نظام کو معطل کر دیتی ہے، اس طرح انہیں سنبھلنے اور رجوع ہونے کا موقعہ فراہم کرتی ہے، افراد کے ساتھ ساتھ قوموں سے بھی اللہ کا یہ معاملہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کرونا وائرس قدرت کی طرف سے ایک ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے تحت قوموں کو سنبھلنے، بیدار ہونے اور اپنی زندگی کے نقوش اور خطوط کو از سر نو استوار کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے، جن قوموں نے اس ورلڈ آرڈر کو سمجھ کر اس کے اصولوں پر عمل کرنے کی راہ اختیار کی، انہیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا موقعہ ملے گا، دوسری قوموں کو معاشی افراتفری، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، روحانی اضطراب اور سخت بے یقینی کی حالت سے دوچار کر دیا جائے گا۔

اس نئے ورلڈ آرڈر کے کچھ بنیادی نکات اس طرح ہیں۔

(۱) انسان، کائنات اور اشیائے کے کائنات کے بارے میں مادی نوعیت کے نکتہ نگاہ سے صرف نظر کیا جائے اور کائنات کو اللہ واحد کی تخلیق سمجھا جائے۔

(۲) خود شناسی اور اللہ شناسی کی راہ اختیار کی جائے، اللہ شناسی پر مشتمل روحانیت اور روحانی زندگی کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے۔

(۳) سودی نظام کو ختم کر دیا جائے، اس لئے کہ یہ اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے، اور اس سے اللہ کی مخلوق معاشی طور پر پامال ہوتی ہے۔

(۴) رشوت، لوٹ مار اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ کے ذریعہ حرام مال جمع کرنے کے راستے مسدود کر دیئے جائیں، ان جرائم کی سخت سزائیں مقرر کی جائیں۔

(۵) دولت کے چند طبقات کی طرف ارتکاز کے راستے بند کر دیئے جائیں۔

(۶) اللہ کی مخلوق کو پامال کرنے، انہیں مسائل و مصائب میں مبتلا کرنے اور اپنی حرص وہوس کا نشانہ بنانے کی حرکتوں سے بچا جائے۔

(۷) قوموں پر بالادستی حاصل کرنے کی روش سے احتراز کیا جائے۔

(۸) انسانیت کے نام اللہ کے آخری پیغام، جو اسلام اور اسلامی تہذیب کی صورت میں موجود ہے، اس کو اختیار کرنے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور مسلم ممالک اسلام کے عدالتی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور روحانی نظام کو ریاستی سطح پر اختیار کرنے کے سلسلے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں، اور اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے نظام زندگی کو دل وجان سے اختیار کریں۔

(۹) انسانیت تک اللہ کے آخری پیام کو پہنچانے اور ان تک توحید ورسالت کی اتمام حجت کے کام کو ترجیحات میں شامل کیا جائے، اس سلسلہ میں ''دعوت وتبلیغ'' کے نام سے ایک وزارت بھی قائم کی جائے اور انہیں پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت کے لئے کشادہ دلی سے وسائل فراہم کئے جائیں۔

(۱۰) اللہ سے عہد کیا جائے کہ وہ اس کے وفادار اور عاجز بندے کی حیثیت سے زندگی گذارنے اور اس کی تعلیمات پر مخلصانہ طور پر عمل پیرا ہونے کی راہ اختیار کریں گے۔

(۱۱) نماز کو قائم کرنے کا خصوصی اہتمام کریں، نماز کے اوقات میں پوری قوم کو نماز کی ادائیگی کے لئے نہ صرف راغب کریں گے، بلکہ قانون سازی کر کے، نماز نہ پڑھنے والوں کی انتباہ دیں گے اور کچھ سزا بھی مقرر کریں گے۔

(۱۲) نظام تعلیم کو اسلامی تہذیب سے ہمہ آہنگ کرنے کے لئے ہر ممکن حد تک کوشش کریں گے، تاکہ نظام تعلیم سے نکلنے والے افراد میں مادیت اور دولت کی بجائے اللہ سے محبت کا رنگ غالب ہو۔

(۱۳) پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کو شائستگی، وقار اور اصولوں کا پابند بنایا جائے، اور انہیں عریانی اور فحاشی پھیلانے سے روک دیا جائے، ایسے تجزیات اور ایسے پروگرام جن سے اہل سیاست اور قوم میں افتراق اور محاذ آرائی پیدا ہوتی ہے، ان پر پابندی عائد کی جائے۔

(۱۴) اہل سیاست کو سیاست کو محاذ آرائی، دشمنی، اور ذاتی مفادات کا ذریعہ بنانے کی بجائے شائستگی، وقار اور اصولوں کا ذریعہ بنانا ہوگا۔

(۱۵) قومی اور اجتماعی طور پر قناعت، سادگی، کفایت شعاری اور کم وسائل کے ساتھ زندگی گزارنے کے سلیقہ سے آشنا ہونا ہوگا، تعیش اور آسائش کے غیر ضروری سامان سے پرہیز کرنا ہوگی، سادہ مکان اور سادہ گاڑی پر گذارہ کرنے کا فن سیکھنا ہوگا، اوپر کے طبقات کو ان چیزوں کا پابند بنانے کے لئے قانون سازی سے کام لینا ہوگا۔

قدرتی ورلڈ آرڈر کے یہ اہم نکات ہیں، جنہیں اختیار کرنے سے ہم نہ صرف اللہ کے عتاب سے محفوظ ہو سکتے ہیں، بلکہ اس سے اللہ کی طرف سے ہمارے لئے فتوحات اور برکتوں کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں گے۔

قدرت کے اس ورلڈ آرڈر کو سمجھکر عمل نہ کرنے کا جو نتیجہ ہوگا، وہ معاشی بدحالی، افراتفری، غیروں سے بھیک مانگنے کی روش، محتاجی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، زندگی سے مایوسی اور نئی نئی آفتوں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

قدرت کے قوانین اٹل ہوتے ہیں، ان میں تبدیلی نہیں آتی، اس موقعہ پر ہمیں دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنی ماضی کی روش سے توبہ تائب ہو کر، قدرت کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے اور اپنی پاکیزہ تہذیب کو اختیار کر کے جہاں قدرت کے ان قوانین سے مطابقت اختیار کرنی ہوگی، وہاں اللہ کے ہاں سرخرو ہونے کی کاوش بھی کرنی ہوگی۔

قوم کے اوپر کے طبقات کی

تین کمزوریاں اور انہیں دور کرنے کی ضرورت

ہمارے اوپر کے طبقات جو سیاست، معیشت، اقتصادیات اور انتظامی مشنری وغیرہ پر فائز ہیں، ان کی تین کمزوریاں ایسی ہیں، جو ملک کی صحتمند بنیادوں پر تشکیل کی راہ میں شدید رکاوٹ ہیں یہ تین کمزوریاں درج ذیل ہیں (۱) مغربی فکر سے مرعوبانہ ذہنیت اور مغربی تہذیب سے گہری وابستگی (۲) دولت کے بارے میں حریصانہ ادائیں (۳) بڑے پن اور شیخی پر مشتمل نفسیات۔

اوپر کے طبقات کی یہ تین کمزوریاں ایسی ہیں، جو بہتر سے بہتر پالیسیوں کے اثرات کو کالعدم یعنی غیر مؤثر کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

جب تک ان تین کمزوریوں کو دور کرنے کے انتظامات نہیں ہوتے، اس وقت تک ملک میں سیاست، معیشت، نظام تعلیم اور انتظامی مشنری میں بہتر تبدیلی کے آثار وامکانات کا پیدا ہونا دشوار ہے، سبب یہ ہے کہ بہتر سے بہتر پالیسیوں کو نافذ کرنے کی راہ میں یہ تین کمزوریاں حجابات بن کر سامنے آجاتی ہیں۔

مختلف ملکوں میں افراد کی اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ ذہنی تعمیر کے لئے تربیتی کورس کروائے جاتے ہیں، یہ کورس کافی دنوں تک چلتے رہتے ہیں، جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سرکاری مشنری سے وابستہ افراد کی کوششوں کے باوجود اپنی تہذیب سے پوری طرح ہمہ آہنگی پیدا نہیں ہو پاتی تو انہیں ناقابل اصلاح **سمجھکر** ملازمت سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں بھی کم از کم انتظامی سطح پر ذہنی تربیت و تطہیر کے لئے اس طرح کے کورس شروع کئے جائیں، اس طرح کے کورسوں کا سب سے بڑا ہدف یہ ہو کہ سرکاری مشنری سے وابستہ افراد کی اسلامی تہذیب سے علمی، فکری اور عملی وابستگی کی صورت پیدا ہو جائے، تاکہ ان

میں اتنی روحانی بالیدگی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی مذکورہ تینوں کمزوریوں پر بڑی حد تک قابو پانے میں کامیاب ہوں۔

اگر موجودہ حکومت اس سلسلہ میں کوئی بہتر عملی اقدامات کر سکے تو یہ ان کا ملک اور قوم پر سب سے بڑا احسان شمار ہوگا۔

ہمارے ہاں فنی اور ٹیکنکل تربیت کے لئے سرکاری افسران کو مغربی ممالک میں کورس کے لئے عام طور پر بھیجا جاتا ہے، وہاں جا کر وہ مغربی فکر و تہذیب سے مرعوبیت کے دگنے اثرات لے کر آتے ہیں، ہمارے خیال میں اس کی چنداں ضرورت نہیں، اصل ضرورت اس طرح کے کورس کی ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

آزمائش کے موجودہ حالات میں ہمارے اوپر کے طبقات کے لئے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو اپنی پاکیزہ تہذیب سے ہمہ آہنگ بنانے کے لئے کوشاں ہوں، آفت کے وقت ہی فکر مندی پیدا ہوتی ہے، یہ فکر مندی ہی رجوع الی اللہ اور اپنی زندگی کو بدلنے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

اللہ کے عتاب کو دعوت دینے والے اعمال

بیدار ہونے کی ضرورت

اس وقت جب کہ پوری دنیا کے ساتھ ساتھ ہمارا ملک بھی وبا کی لپیٹ میں ہے، اس موقعہ پر ہمیں خود احتسابی سے کام لے کر جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارے وہ کیا اعمال ہیں، جو اللہ کے عتاب کو دعوت دینے والے ہیں۔ یہ اعمال کچھ اس طرح کے ہیں۔

(۱) مادہ پرست مغربی فکر سے مرعوبانہ ذہنیت کا ہونا (۲) مغربی تہذیب کی نقالی اختیار کرنا (بالخصوص مادی اعتبار سے خوشحال طبقات کی طرف سے) (۳) دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا (۴) حرام مال کمانے کی کوششوں کا عام ہونا (۵) جھوٹ، فریب، جعل سازی، دھوکہ دہی، کام چوری، ملاوٹ، چرب زبانی اور ذخیرہ اندوزی جیسی روحانی واخلاقی بیماریوں کا عام ہونا (۶) چھوٹی چھوٹی باتوں پر عزیز واقارب، دوست واحباب اور جاننے والوں کی دل آزاری کرنا اور ان سے قطع تعلق کی روش کا ہونا (۷) غصہ، اشتعال اور غیظ وغضب کی نفسیات کا عام ہونا (۸) نوجوان نسل کا جنس زدگی کی بیماری میں مبتلا ہونا (۹) دنیاوی زندگی کے مستقبل کی فکر کو سارے افکار پر غالب کرنا (۱۰) قومی اور ملی مفاد پر ذاتی مفاد کو غالب کرنا (۱۱) دولت کا چند مراعات یافتہ طبقات کی طرف ارتکاز کا ہونا اور عام لوگوں کا نان شبینہ سے محروم ہونا (۱۲) اللہ کی عبادت واطاعت سے دوری کی روش کا ہونا (۱۳) نظام تعلیم کے ذریعہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں پاکیزہ نصب العین سے محروم اور بے مقصد افراد تیار کرتے رہنا (۱۴) کسی بھی سطح پر غریبوں کی پرسانِ حالی کے نظام کا نہ ہونا (۱۵) عورت کی آزادی کی تحریک کا فروغ حاصل کرنا (۱۶) نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی سے عام لوگوں کا غافل ہونا (۱۷) دوسروں کے بارے میں بدگمانی کا عام ہونا اور گلا وغیبت کا ہونا (۱۸) معاصر شخصیتوں کو گرانے کی کاوشوں کا ہونا (۱۹) اہل سیاست کا ذاتی مفادات کی خاطر ایک دوسرے کو

گرانے کی آخری حد تک کاوشوں کا ہونا، اس طرح کسی بھی حکومت کو اطمینان سے کام کرنے کا موقعہ نہ دینا (۲۰) میڈیا کی طرف سے فحاشی کو فروغ دینا اور اپنے تبصروں اور تجزیوں کے ذریعہ ہر طرح کی قیادت پر اعتماد کو ختم کرنا (۲۱) خواہشات نفس پر مشتمل چیزوں کو ضروریات زندگی میں شامل کرنا۔

(۲۲) انسانی جان کی قدر وقیمت سے ناآشنائی کا ہونا اور لڑائی جھگڑوں کا عام ہونا۔

(۲۳) عورت کے عزت واحترام اور اس سے سلیقہ سے معاملہ کرنے کی صلاحیت کے فقدان کا ہونا۔

(۲۴) چھوٹی چھوٹی چیزوں کو عزت نفس کا مسئلہ بنا کر روٹھ جانے کے عمل کا ہونا، اس طرح اجتماعیت اور اجتماعی زندگی کا خلفشار سے دوچار ہونا۔

(۲۵) فطری صلاحیتوں کو اس حد تک کمزور کرنا کہ وعظ ونصیحت کی باتوں کا بے اثر ہونا۔

(۲۶) قدر ومنزلت اور عزت کا معیار علم وفضل اور تقویٰ کے بجائے دولت کا قرار پانا وغیرہ وغیرہ۔

ضرورت ہے کہ اللہ کی طرف سے آزمائش کے اس موقعہ پر ہم خود احتسابی سے کام لے کر اپنے ان گناہوں پر شرمسار ہوں اور دل کی گہرائیوں سے اللہ سے معافی طلب کریں اور آئندہ کے لئے عہد کریں کہ وہ حرکتوں سے باز آکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی زندگی اختیار کریں گے۔

اپنی دنیا خود بنانے اور آباد کرنے کی ضرورت

نئے حالات کے پس منظر میں

قیام پاکستان کے بعد ہمیں موقعہ ملا تھا کہ ہم اپنی دنیا خود ہی بنانے اور آباد کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے اور اپنی ریاست کے سارے اجتماعی نظام اور زندگی کے سارے شعبوں کو اسلام سے ہمہ آہنگ بنانے کی کوشش کرتے، بالخصوص نظام تعلیم میں اللہ سے محبت کی روح کو شامل کرتے، تاکہ ہماری نسلیں قوموں کی سطح پر اسلام کی بہتر نمائندگی کرنے اور دنیا کے سامنے اسلام کا پاکیزہ اور زندہ نمونہ پیش کرنے کے قابل ہوں۔

لیکن یہ قیمتی موقعہ ہم نے ضایع کیا اور سیاست، معیشت، معاشرت اور تعلیم میں مادہ پرست قوموں کی نقالی کی روش اختیار کی، اس کا جو نتیجہ نکلا، وہ یہ ہے کہ پاکستان دو حصوں میں بٹ گیا اور ہمیں سیاسی اور معاشی طور پر مغرب کی غلامی اختیار کرنی پڑی۔

قیام پاکستان کے بعد اب پھر قدرت نے کرونا وائرس کی وبا کے ذریعہ ہمیں یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ ہم مغرب کی تہذیبی، معاشی اور تعلیمی نوعیت کی غلامی سے نکل کر، اسلام کی بنیاد پر اپنے ملک کی تعمیر نو کا کام سرانجام دیں، ایسا کرنے سے ہم دنیا کے سامنے ایک مثالی قوم کی حیثیت سے سامنے آسکتے ہیں۔

کرونا وائرس کی وبا کی وجہ سے اہل مغرب اپنے اپنے ملکوں کی از سر نو تعمیر کی کوششوں میں لگ جائیں گے، اس وبا سے جو تباہی آئے گی، اس کو سنبھالنا ان کے لئے اولین ترجیح ہوگی، اپنی از سر نو تعمیر کا کام انہیں دنیا کے زیادہ تفکرات کے قابل نہیں رہنے دے گا، ان حالات سے فائدہ اٹھا کر، ہم اسلام کی بنیاد پر اپنی ریاست کی تعمیر کا کام بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

اسلام کے اجتماعی نظام کو اپنی ریاست کا حصہ بنانے کے اثرات و نتائج کے موضوع پر ہم یہاں دو ممتاز اسلامی مفکروں کی تحریروں کے اقتباس پیش کر رہے ہیں، ایک اقتباس ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کا ہے، جو ۴۸ء میں ان کی لکھی گئی کتاب ''پاکستان کا مستقبل'' سے ماخوذ ہے، دوسری تحریر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ہے، جو ۱۹۷۴ء کی ہے۔

''خواہ ہم اسلام سے کتنے ہی روگرداں ہوں اور خواہ یہ بات ہمیں اس وقت کیسی ہی مشکل نظر آئے، لیکن اسلام پھر بھی اس دور کے غلط نظریات پر جو اسے نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں، غالب ہو کر زندہ رہے گا۔ البتہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہم سازگار حالات کے باوجود جو قدرت ہمارے لیے پیدا کر رہی ہے، قدرت کے ارادوں کے ساتھ تعاون کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس صورت میں ہم مقاصدِ ارتقا کے لیے بیکار بلکہ مضر سمجھ کر نظروں سے گرا دیے جائیں گے۔ سلطنت کی نعمت ہم سے چھین لی جائے گی اور ہمیں ذلت کی زندگی بسر کرنے اور آخر کار مٹ جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا اور ہماری جگہ کسی اور قوم کو کھڑا کر دیا جائے گا، جو اسلام کی خدمت کرنے اور لوگوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر، زمانہ کے باطل کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے تیار ہوگی۔ پھر سلطنت، دولت، علم اور دنیا کی تمام نعمتیں اسی قوم کو دے دی جائیں گی۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ محض میرے تخیل کی پیداوار نہیں، بلکہ قرآن حکیم کی متعدد آیات اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں:

یاایھاالذین آمنوا من یرتدمنکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیسل الله ولا یخافون لومة لائم۔ (۵:۵۴)

(ترجمہ: مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اسے دوست رکھیں گے۔

مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جد وجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کا باک نہ رکھیں گے)۔

ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لایکونوا امثالکم۔ (۴۷:۳۸)

(ترجمہ: اگر تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو اللہ تمہیں مٹا کر تمہارے عوض میں اور قوم لائے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے)۔ (ایضا صفحہ ۹۵)

بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ پاکستان ایک کمزور اور چھوٹا سا ملک ہے، جو بالخصوص ایٹم بم کے اس زمانے میں دنیا کی بڑی طاقتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن قوموں کا عروج وزوال نہ تو اس کے ظاہری مادی اسباب پر منحصر ہے اور نہ ان کی قوت سعی و عمل پر، بلکہ اس کا دار و مدار کائنات کی باطنی قوتوں کے عمل پر ہے۔ جو قوم بھی ان قوتوں کے نہ رکنے والے عمل کو اپنے موافق اور مطابق کرے گی، وہ زندہ رہے گی اور دوسری قومیں خواہ ان نظریات کے ظاہری اسباب کچھ ہوں، مٹ کر فطرت کی اس چہیتی قوم کے لیے راستہ صاف کر دیں گی۔ جس طرح سے ایک فرد کی خودی کے اندر جذبۂ حسن و کمال موجود ہے، اسی طرح سے کائنات کی ساری ارتقائی حرکت اس جذبہ کے اظہار واطمینان کے لیے ہے اور قدرت نے جو انسان میں جذبۂ حسن و کمال رکھا ہے، وہ بھی اسی غرض سے ہے کہ انسان اس کے ساتھ مل کر کام کرے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے، جو قوم کائنات کے اندرونی جذبۂ حسن و کمال کی موید ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں جو قوم آخر کار کامل نظام تصورات کو اپنی زندگی کی حقیقی بنیاد بنائے گی، وہ روئے زمین پر حکومت کرے گی۔ کیونکہ اس کے ظاہری حالات خواہ کیسے ہی مایوس کن ہوں، فطرت اسے عروج و کمال پر پہنچانے کے لیے بیتاب ہے، اگر وہ تہی دست ونادار ہو گی تو دولت دوسروں سے چھین کر، اسے دے دی جائے گی۔ اگر اس کے پاس سامانِ جنگ نہ ہو گا تو اسے اجازت دے دی جائے گی کہ دوسروں کا سامان جنگ چھین کر، اپنے قبضہ میں لے لے۔ اگر وہ بے علم و بے ہنر ہو گی تو اسے علم وہنر سے آراستہ کیا جائے گا۔ اگر وہ عمل سے محروم ہو گی تو دوسروں کے ہاتھ پاؤں شل کیے جائیں گے اور اسے قوتِ سعی و عمل سے نوازا جائے گا۔ قدرت ان تمام ترقیوں سے جو وہ نوع انسانی کو آج تک نصیب کرتی رہی ہے، صرف ایک قوم کی تعمیر کرنا چاہتی ہے اور وہ خاتم النبیین کی امت ہے۔ اگرچہ اس قوم کی تعمیر کے سامان کا بہت سا حصہ اس وقت دوسری قوموں میں بکھرا ہوا ہے، لیکن بالآخر وہ یکجا کر کے اسی قوم کے سپرد کیا جائے گا۔ مسلمان

مطمئن رہیں کہ جو کچھ دنیا پیدا کر چکی ہے، وہ ان ہی کا ہے اور جو کچھ دنیا نے ابھی تک پیدا نہیں کیا، وہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسلام کو فی الواقع ایک کامل نظام تصورات کی حیثیت سے کام میں لائیں یعنی اسے اپنی سیاسی زندگی کی روح ورواں بنائیں۔'' (پاکستان کا مستقبل صفحہ ۹۹) واضح ہو کہ یہ تحریر ۱۹۴۸ء کی ہے۔

''مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا تھا:

''پاکستان جس مقصد کی خاطر قائم کیا گیا، اس کی اصل بنیاد ہے، اس پر اس کے معاشرے اور اس کی اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ کی تعمیر نو کی جائے، یہاں کی معاشرتی زندگی، یہاں کی ثقافت، حتیٰ کہ رسوم ورواج کو اسلام کی تعلیمات اور قرآن وسنت کی واضح ہدایت میں ڈھال دیجئے، یہ کام آپ کر لیں گے تو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ آپ کی خصوصی حفاظت فرمائے گا، غیب سے مدد آئے گی، **ان تنصروا اللہ ینصرکم** (سورت محمد آیت ۷)

(اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا) یہاں اللہ کی مدد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے، صرف زندگی کے ایک گوشے میں نہیں، بلکہ حیات انفرادی اور اجتماعی کے ہر گوشے اور شعبے میں۔

اگر آپ یہ کام کر لیتے ہیں تو میں یقین دلاتا ہوں ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے مصنف اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو عالم اسلام کے علاوہ پوری دنیا میں گھوما پھرا ہے، وہاں کے علمی مراکز میں گیا ہے۔ اصحاب فکر ونظر سے ملا ہے کہ اسلام پر پورے اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کے نتیجے میں آپ کو کہیں سے مدد لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ براہ راست آپ کی مدد اور نصرت وحمایت کرے گا، کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی نعمت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔''

عبرت حاصل کرنے میں

دنیا کی محبت اور تکبر کا رکاوٹ ہونا

یہ ایک اہم سوال ہے کہ قومیں عام طور پر قدرت کے حادثات اور آفتوں سے عبرت حاصل کر کے، اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے کی روش سے محروم کیوں ہوتی رہی ہیں؟

اس سلسلے میں لگ بھگ ساری قوموں کی روش یکساں رہی ہے، البتہ قرآن نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو اس سے مستثنا قرار دیا ہے کہ اس نے عذاب کے آثار دیکھتے ہی توبہ اور رجوع کی راہ اختیار کی، جب کہ باقی قومیں سرکشی کی راہ پر ہی گامزن رہی؟

اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں، جو عام طور پر قوموں کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں، ایک دنیا میں استغراق اور دنیا کی محبت۔ دوم تکبر اور بڑے پن کی نفسیات۔

یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جو نہ صرف عبرت حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں، بلکہ اعمال بد کو خوبصورت اعمال کی صورت میں دکھانے کا باعث بھی بن جاتی ہیں، قرآن کی متعدد آیتوں میں اس کا ذکر ہے۔

دنیا میں استغراق اور اس کی محبت کی ''خصوصیت'' ہے کہ فرد وافراد کا باطن ہر وقت دنیا میں الجھا رہتا ہے، وہ دنیا اور مادی زندگی ہی کو سب کچھ **سمجھکر** اس کے لئے ہمہ وقت متفکر رہتا ہے اور دنیا کی ہیبت، اس کا رعب، اس کی عظمت، اس کے مستقبل کی فکر مندی اس کا احاطہ کر لیتی ہے، رسمی دینداری بھی افراد کو ایسا کرنے سے روکنے میں ناکام ہوتی ہے۔ دراصل باطن کی صحتمند بنیادوں پر تعمیر کا کام ایسا ہے، جو وقت چاہتا ہے اور ذکر و فکر کے مجاہدوں اور صحبت صالحہ کے ماحول میں رہنے کا متقاضی ہے، جب تک باطن کی قابل ذکر حد تک اصلاح نہیں ہوتی، تب تک حادثوں سے عبرت حاصل کرنے والی آنکھ بیدار نہیں ہوتی اور قیمتی وقت کا سرمایہ، مادی زندگی کے مستقل کی بہتری میں ہی صرف ہونے لگتا ہے، اس طرح قومیں دونوں جہانوں کے خسارے سے دوچار ہو جاتی ہیں۔

تکبر کی نفسیات تو حب دنیا سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے، اپنی طاقت، اپنی دولت، اپنی برتری وغیرہ کا زعم فرد وافراد کے دل کو مسخ کر دیتا ہے اور اللہ کی خداوندی کے مقابلے میں اپنی خداوندی کے نشہ میں مخمور رکھتا ہے۔

تکبر کی نفسیات کی حامل قوموں سے حادثات اور آفتوں سے عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت واستعداد ختم ہو جاتی ہے۔ تکبر اپنے بندہ ہونے کی حیثیت سے انکار کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتا اور فروغ پذیر ہوتا ہے۔

جو قومیں ان دونوں بیماریوں میں مبتلا ہوتی ہیں، انہیں ڈھیل ضرور دی جاتی ہے، لیکن آخر میں انہیں عبرت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کی غیر معمولی طاقت، مادی قوت اور دولت وغیرہ ان کے کسی کام نہیں آتی۔

تکبر اور حب دنیا افراد اور قوموں کو اپنی حدود سے تجاوز کرنے اور ظلم اور ظالمانہ روش پر ابھارنے اور اکسانے کا موجب بن جاتا ہے، اگر دولت اور طاقت حاصل ہے تو یہ دونوں بُرائیاں قوموں کے لئے اللہ کی زمین کو فساد سے بھرنے اور انسانوں کی پامالی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، جب طاقتور قوموں اور ہر ملک کے بالادست طبقات کے ظلم سے انسانیت بے بس ہو جاتی ہے تو اللہ کی طرف سے عتاب وارد ہوتا ہے، اس عتاب سے مقصود سنبھلنا، بیدار ہونا اور خود احتسابی سے کام لے کر رجوع ہونا ہوتا ہے۔

اگر آفتوں اور وباؤں کے باوجود حب دنیا، تکبر اور سرکشی میں کمی نہ آئے تو سمجھنا چاہئے کہ مرض لاعلاج ہو گیا ہے، لاعلاج مریضوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

آیئے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حب دنیا، تکبر اور غفلت جیسی بیماریوں سے نجات دلا کر صدق دلی سے اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس آزمائش سے نجات دلائے۔

مادی تہذیب کے اثرات

اور بچاؤ کی صورت

اس وقت پوری انسانیت خوف وہراس کی حالت میں مبتلا ہے اور لگ بھگ ہر فرد احساس تنہائی کی قید میں گرفتار ہے، قرآن نے ایسے حالات کی نشاندہی فرمائی ہے، سورۃ الروم کی آیت نمبر ۴۱ ہے **"ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس"** لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے۔

موجودہ دور میں یہ صورتحال مادہ پرستی پر مبنی عالمی تہذیب کے غلبہ ہی کا نتیجہ ہے، جس نے ساری انسانیت سے خود شناسی اور اللہ شناسی کی راہ مسدود کر کے، اسے نفس پرستی کی راہ پر لگا یا دیا ہے، نفس پرستی ہی مادیت پرستی اور مادی تہذیب کو جنم دیتی ہے، جب کہ خود شناسی، اپنی حیثیت اور اپنی حقیقت کو سمجھنے اور انسانی طبیعت میں موجود خیر اور شر کی قوتوں کی معرفت میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اللہ شناسی سے اللہ سے قریب ہونے، اس کی عظمت کے احساس کے غالب ہونے اور اس کی اطاعت کے ملکہ کے راسخ ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

عالمگیر مادی تہذیب نے انسان ذات کو سب سے بڑا جو نقصان پہنچایا ہے، وہ انسانی فطرت میں موجود خود شناسی اور اللہ شناسی کے طاقتور تقاضے کو مضمحل کرنے کا نقصان ہے، جس کی وجہ سے مادہ پرستی کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں دور ہو کر، انسانیت مادیت میں مستغرق ہو گئی ہے۔

خود شناسی سے انسانی شخصیت میں موجود اصل جوہر یعنی روح کی صلاحیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں اور روح اور نفسی قوتوں کے درمیاں جنگ برپا ہوتی ہے، ایک وقت آتا ہے کہ روح نفسی قوتوں پر غالب آجاتا ہے اور روح کی محبوب حقیقی سے وصال کی حالت قائم ہوتی ہے۔

اس دور میں مادی تہذیب نے انسان کو روح اور نفسی قوتوں کے درمیاں کشمکش سے محروم کر کے، سراسر مادہ پرست بنا دیا ہے اور مادہ پرست انسان اللہ کی زمین کو فساد سے بھرنے، زندگی کو عیش وعشرت، راحت اور لذت سے بہرہ ور کرنے میں ہی اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے لگتا ہے۔

مادی تہذیب کے علمبرداروں نے مادیت سے عشق کی وبا پوری انسانیت میں پھیلا دی ہے، ان کی انڈسٹری اسی سے وابستہ ہے۔

اللہ بیزار تہذیب کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلانا اور اس کے لئے منصوبہ بندی کرنا اور وسائل خرچ کرنا کوئی معمولی جرم نہیں ہے بڑا گناہ ہے اور اللہ کے عتاب کو دعوت دینا ہے، جب اللہ کا عتاب آتا ہے تو ساری مادی تدابیر بیکار محض ثابت ہوتی ہیں، اس وقت بچاؤ کی ایک صورت ہے وہ عاجزی کی راہ اختیار کر کے مادی تہذیب سے دستکش ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے، لیکن چونکہ مادی تہذیب کے علمبرداروں کی مادی تہذیب پر فدائیت کی ادائیں غالب ہو جاتی ہیں، اس لئے وہ اس مادہ پرستی کی راہ سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

تاہم اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اگر خود رجوع نہیں ہوتے تو نہ ہوں، لیکن بالخصوص مسلمان ممالک پر بھی اپنی مادی تہذیب کو مسلط کرنے سے باز آجائیں اور مسلمان حکمرانوں کو اپنے ملک میں اپنی پاکیزہ تہذیب کو فروغ دینے اور اس تہذیب سے ہمہ آہنگ تعلیمات کو نافذ کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اول تو تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی، فرعون نے ان کی اس دعوت سے سرکشی اختیار کی تو آپ نے ان کو کہا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ان کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دیدو، فرعون نے آپ کی یہ دونوں باتیں رد کی، اس پر ان پر شدید عذاب آیا اور فرعون اور فرعونی دریا میں غرق ہوئے۔

مادی تہذیب کے علمبرداروں سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ وہ کم از کم مسلمان ممالک کو اپنی جملہ پالیسیاں خود بنانے کی اجازت دیں، ان کی معیشت، ان کی معاشرت اور ان کے نظام تعلیم کو کنٹرول کرنے کی روش کو ترک کریں۔

اگر وہ خود اللہ پرستی کی راہ اختیار نہیں کرتے تو نہ کریں، لیکن مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے روکنے کی روش سے باز آجائیں۔

ایسا کرنے سے بھی انشاءاللہ، اللہ کے عتاب میں کمی آسکتی ہے۔

مسلم ملکوں کے حکمرانوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ وہ اس موقعہ پر اللہ سے عہد کریں کہ وہ اپنے ملکوں میں مادہ پرستی پر مبنی تہذیب کو پنپنے نہیں دیں گے، اور اسلام کے عدالتی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی نظام کو اختیار کریں گے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے عہد کرنے سے انشاءاللہ مسلم ممالک سے اس وبا کو ٹال دیا جائے گا۔

قرآن میں اللہ نے نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے۔

سورۃ النحل کی آیت نمبر ۳۰ ہے **"للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنة ولدار الآخرة خیر"** (نیکوکاروں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے تو آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے)۔

آخری دور میں فتنوں کا بارش کی طرح ہونا

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ہم جس دور میں رہ رہے ہیں، وہ آخری دور سے قریب تر ہے، اس دور کی "خاصیت" یہ ہے کہ نئے نئے فتنوں کی یلغار ہے، ہر فتنہ پہلے فتنہ سے زیادہ شدید تر ہے، ان فتنوں سے بچنے کے لئے طاقتور ایمان اور اللہ سے مستحکم تعلق کی ضرورت ہے، لیکن عام طور پر ہماری حالت یہ ہے کہ ہمیں نہ صرف یہ کہ ان فتنوں سے بچاؤ کی کوئی فکر دامنگیر نہیں ہے، بلکہ ان فتنوں کا ادراک وشعور بھی نہیں ہے، ان فتنوں سے بے نیازی کا نتیجہ ہے کہ ہم تیزی سے ان کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ اس طرح ہماری ایمانی واسلامی زندگی شدید خطرات سے دوچار ہوتی جارہی ہے۔

ہماری آخرت کی زندگی کی نجات کا تعلق اس بات سے ہے کہ اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان سے بچنے کے لئے کوشاں ہوں، اس سلسلے میں ہم یہاں کچھ احادیث شریف پیش کررہے ہیں، جن میں آخری دور میں اٹھنے والے فتنوں کے بارے میں ہمیں انتباہ دیا گیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ انتباہات ہمیں بیدار کرنے میں انشاءاللہ مؤثر ثابت ہوں گے۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنہ سویا ہوا ہے، جو اس کو جگائے، اس پر لعنت ہے۔ (کنزالاعمال)

(۲) فرمایا: ایسے فتنے، اختلافات اور افتراق ہوگا کہ اگر تم اس بات پر قدرت ہو کہ تم قاتل بننے کی بجائے مقتول بن سکو تو بن جاؤ۔ (مستدرک حاکم)

(۳) فرمایا: تم فتنوں سے بچو کہ اس میں زبان کا اثر ایسا ہوتا ہے جیسے تلوار کا۔ (ابن ماجہ)

(۴) فرمایا: قیامت کے قریب قتل وقتال کا زمانہ ہوگا، جس میں کفار سے قتال نہ ہوگا، بلکہ امت آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے گی، یہاں تک کہ ایک آدمی سے اس کا بھائی ملے گا اور وہ

اس کو قتل کر دے گا، اس زمانہ کے لوگوں کی عقلیں سلب کر لی جائیں گی اور اس کے بعد ایسے کم عقل لوگ ہوں گے، جو اپنے آپ کو یہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کچھ ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوں گے۔(مسند احمد)

(۵)فرمایا: لوگوں کے اوپر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انہیں اس بات کی کوئی فکر لاحق نہ ہو گی کہ ان کے پاس مال حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے۔(نسائی)

(۶)فرمایا: ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں آدمی اپنی بکری سے زیادہ ذلیل ہو جائے گا۔(کنزالاعمال)

فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی، جب تک دنیا کا سب سے نیک بخت شخص رذیل ابن رذیل نہ ہو جائے گا۔(ترمذی شریف کتاب الفتن)

(۷) فرمایا: جب امانت ضایع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو، آپ سے دریافت کیا گیا کہ امانت کا ضیاع کس طرح ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کسی نااہل کو معاملات سونپ دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔(بخاری شریف)

(۸) فرمایا: تمہارے بعد ایک صبر کا زمانہ ہے، جس میں صبر پر ڈٹے رہنا، یہ ایسا ہے جیسا تم (صحابہ کرام) میں سے پچاس شہداء کا ثواب حاصل کرنا۔(طبرانی)

(۹) فرمایا: میں تمہارے بارے میں چھ چیزوں سے ڈرتا ہوں، ایک بیوقوفوں کو امیر بنانا، دوم انسانی خون بہانا، سوم عدالتی فیصلے کی خرید وفروخت کا ہونا، چہارم قطع رحمی کرنا، پنجم ایک نسل کا قرآن کو گانا بنانا، ششم سپاہیوں کا زیادہ ہونا۔(کنزالاعمال)

(۱۰) فرمایا: زمانہ قریب قریب ہو گا (یعنی وقت تیزی سے گزرتا جائے گا) علم قبض کر لیا جائے گا، اور فتنے نمودار ہوں گے اور بخل پیدا ہو جائے گا اور ہرج بڑھ جائے گا، دریافت کیا گیا کہ ہرج کیا ہے، فرمایا قتل۔(مشکوٰۃ شریف)

(۱۱) فرمایا: فتنہ کے زمانے میں عبادت کرنے کا ثواب اتنا ہے جتنا میری طرف ہجرت کرنے کا۔(رواہ مسلم)

(۱۲) فرمایا: میں اپنی امت میں گمراہ قائدین سے ڈرتا ہوں، جب تلوار میری امت پر رکھی جائے گی تو قیامت کے روز تک نہ اٹھائی جائے گی۔(ابوداؤد ومشکوٰۃ)

(۱۳) فرمایا: قیامت سے پہلے فتنے تاریک رات کی طرح ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہو گا تو شام کو کافر ہو گا اور صبح کو کافر ہو گا۔

بیٹھا ہوا شخص ایسے میں کھڑے ہوئے سے بہتر ہو گا اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہو گا۔ پس اس وقت تم اپنی سختی ختم کر دو اور اپنی کمانوں کی تانتیں کاٹ ڈالو، اور اپنی تلواروں کو پتھر پر دے مارو، پس تم میں سے جس نے بھی یہ کام کیا، وہ بنی آدم کا بہترین شخص ہو گا۔(ابوداؤد مشکوٰۃ)

(۱۴) فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اپنے دین پر صبر کرنا ایسا ہو گا، جیسے انگاروں کو ہاتھ میں لینا۔(ترمذی شریف)

(۱۵) فرمایا: جب بیت المال کے مال کو اپنی ملکیت سمجھا جائے، امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جائے، علم، دنیا کمانے کے لئے حاصل کیا جائے، سرداری اور قوم کے نمائندگی بدمعاشوں کو ملے، قوم کا لیڈر سب سے بڑا کمینہ شخص ہو، آدمی کی شہرت اس کے شر کے ڈر کی وجہ سے کی جانے لگے، گانے والیوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے، ناخلف لوگ صالحین کو بُرا کہنے لگیں تو سرخ آندھیوں زلزلوں اور آفتوں کا انتظار کرو۔

اجتماعی کردار کو ملی کردار سے

ہمہ آہنگ بنانے کی ضرورت

موجود آزمائش سے سبق سیکھکر اپنی زندگی کے رخ کو صحتمند بنیادوں پر بدلنے میں ہمیں جس ناکامی کا سامنا ہے، اس پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

دراصل مادیت کی ہمہ گیر فضانے ذہن کو مادیت سے ہمنوا فکر سے بھر دیا ہے اور مزاجوں میں مادیت کے زہر کو سمو دیا ہے، طبیعتوں میں آخرت فراموشی کو غالب کر دیا ہے اور ذکر سے نہ صرف غافل کر دیا ہے، بلکہ ذکر کی اہمیت اور زندگی کو بدلنے کے سلسلے میں اس کے ادراک ہی کو سلب کر دیا ہے۔

ذکر سے غفلت بہت سارے امراض کی جڑ ہے، چونکہ قومی اور ملی کردار کی تعمیر میں ذکر فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، ذکر سے محرومی کی وجہ سے ہمارا قومی اور ملی کردار بھی نہیں بن پارہا ہے، ذکر ایک نور ہے، یہ نور جب دل کی گہرائیوں میں داخل ہوتا اور مستحکم ہوتا ہے تو مادیت کی مسموم فضا اور نفسی قوتوں کی یرغمالی سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اور دین، ملت اور قوم کے حوالے سے افراد کی حساسیت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

ہمارے قومی کردار میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان خرابیوں میں زیادہ سے زیادہ دنیا کمانے کا جنون، لوٹ مار، رشوت، دھوکہ دہی، قساوت قلبی اور انسان آزاری جیسی بیماریوں نے ہمیں جکڑ لیا ہے، یہ قومی جرائم ایسے ہیں، جو اللہ کے عتاب کا ذریعہ بن جاتے ہیں، ان جرائم سے بچنے کے لئے ایمان کی قوت اور تربیت کا پاکیزہ نظام چاہئے، ایمان کی یہ قوت اور پاکیزہ بنیادوں پر تربیت کا یہ کام ذکر وفکر اور پاکیزہ صحبت کے ماحول سے جڑنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

اگر ہم اللہ کے عتاب سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے اجتماعی کردار کو بدلنا ہوگا، رشوت، لوٹ مار، مال کمانے کے جنوں اور انسان آزاری کی اپنی روش کو بدلنا ہوگا، ذکر وفکر اور صحبت صالحہ کے

ماحول کو اختیار کرنا ہوگا، نفس اور مادیت کے ہمہ گیر ماحول سے مزاحمت کر کے بھی ہمیں نئے پاکیزہ ماحول کا حصہ بننا ہوگا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ آزمائشوں اور آفتوں کا وقت ہی وہ وقت ہوتا ہے، جب دلیں نرم ہو جاتی ہیں، اور مزاجوں کی سختی میں کمی آنے لگتی ہے، اس طرح کے مواقع سے فائدہ اٹھا کر ہم پرانی فاسد عادتوں کو بدل کر انہیں قومی وملی مزاج سے ہمہ آہنگ بنانے اور صحبت کے بہتر ماحول کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں، اس طرح یہ آزمائش بہتر تبدیلی اور دنیا وآخرت میں قدرت کے انعامات سے نوازنے کا باعث بن سکتی ہے۔

اس سلسلے میں دنیا کی زندگی کے عارضی ہونے اور آخرت کی زندگی کے ابدالاباد ہونے کا مراقبہ بھی ایسی چیز ہے، جو ہمیں فاسد عادتوں کے نظام اور ذکر سے غفلت سے بچانے میں کردار ادا کر سکتا ہے۔

قدرت نے ہمیں زندگی کے رخ کو بدلنے اور رجوع ہونے کا جو موقعہ دیا ہے، اس موقعہ کو ضایع کرنے کی بجائے ہمیں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

سچی روحانیت کے ذریعہ

انسانیت کو حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات

ایک نظر میں

کرونا وائرس، انسانیت بالخصوص اہل مغرب کے نام اللہ کی طرف سے انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ انتباہ یہ ہے کہ مادیت کے بتوں کی پرستش سے انکار کرکے، اللہ شناسی اور سچی روحانیت کی راہ اختیار کی جائے اور نفسی قوتوں پر روحانی قوتوں کو غالب کیا جائے، ایسا کرنے سے اشیائے کائنات کے ساتھ انسانیت کا وحدت کا رشتہ بھی قائم ہو جائے گا، قرآن کی رُو سے ساری اشیائے کائنات اللہ کی تسبیح و تعریف میں مصروف ہیں۔

اگر اہل مغرب نے کرونا وائرس کے اس انتباہ کو سمجھکر رجوع اختیار کرنے اور سچی روحانیت کی رہ اختیار کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ کرونا وائرس کا عتاب ٹل جائے گا، بلکہ اہل مغرب اور انسانیت کو از سر نو ترقی کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔

سچی روحانیت (جس میں اللہ، رسول اور آخرت کا عقیدہ بھی شامل ہے) اسے اختیار کرنے سے اہل مغرب اور انسانیت کو جو فوائد و ثمرات حاصل ہوں گے، وہ کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) ظلمات نفس کی وجہ سے ہر شخص میں موجود خوف وہراس، بے یقینی، اداسی اور احساس تنہائی جیسی چیزیں ختم ہو جائیں گی۔

(۲) اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کے غلبہ کی وجہ سے انسانوں کے سارے جذباتِ حسن کی تسکین کا سامان پیدا ہوگا، خوشی، مسرت، سکون، سکینت اور بے پناہ حلاوت جیسی ایسی نعمتوں سے بہرہ وری ہوگی، جس پر ہزارہا مادی دنیائیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

(۳) قوموں کے درمیاں لڑائی جھگڑے ختم ہو کر باہمی مصالحت کے ساتھ رہنے کا سلیقہ حاصل ہوگا۔

(۴) ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کے میلانات ختم ہو کر، ایک دوسرے کی عزت و تکریم کے احساسات غالب ہوں گے۔

(۵) مادی کلچر نے عیش و عشرت، فحاشی، جنس زدگی اور مادی حسن پر فدائیت پر مشتمل جو انڈسٹری قائم ہوئی ہے، وہ ختم ہو جائے گی، اس کی جگہ فضااللہ سے والہانہ محبت کے نغموں سے گونجنے لگے گی۔

(۶) قوموں اور ملکوں کے تعلقات، باہمی محبت کے جذبات کی بنیادوں پر استوار ہوں گے، اس لئے قوموں کے درمیاں ایک دوسرے سے خوف زدگی کی فضا ختم ہو جائے گی، جس کے نتیجہ میں اسلحہ ساز فیکٹروں، عسکری قوت اور بہت بڑی فوج رکھنے کی ضرورت لاحق نہ ہوگی۔

(۷) افراد اور قوموں میں جوں جوں اللہ کی محبت بڑھتی جائے گی، اسی مناسبت سے ان کے کردار میں رونق پیدا ہوتی جائے گی، اور ان کا باطنی جذبۂ محبت دوسروں کے ساتھ انہیں ایثار کا مظاہرہ کرنے پر از خود آمادہ کرتا رہے گا۔

(۸) مادی کلچر سے دستبردار کی وجہ سے قدرت انسانیت کو خوشی، مسرت اور حلاوت کی ایسی زندگی سے آشنا کرے گی، جس پر وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرے گی۔

(۹) نظام تعلیم، اللہ سے والہانہ محبت کی بنیادوں پر استوار ہوگا، چونکہ بچوں کی فطرت سلیمہ محفوظ ہوتی ہے، اس لئے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ انہیں اللہ سے والہانہ محبت کے ارتقائی مراحل سے گزارا جائے گا۔

(۱۰) دولت کا رخ ایک طبقہ یا چند طبقات کی طرف ہونے کے بجائے سارے طبقات کو اس سے استفادہ کا موقعہ ملے گا، مفاد عامہ کے تحت دولت کی حد بندی کی جاسکے گی۔

(۱۱) سیاست کو سیاست برائے سیاست یا اسے مفادات کے حصول کا ذریعہ بنانے کے بجائے اسے خالص قومی وملی مفادات کی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔

(۱۲) سود اور فحاشی پر مشتمل انڈسٹری کے ذریعہ مال کمانے یا حرام مال کے سارے ذرائع مسدود ہو جائیں گے۔

(۱۳) میڈیا کی طاقت صحتمند اقدار کے فروغ کے مقصد میں صرف ہو گی، اس سے بے شمار بُرائیوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی۔

(۱۴) نئی نئی ایسی مادی سرگرمیاں اور صحتمند صنعتیں قائم ہوں گی، جو فحش اور غیر ضروری انڈسٹری کا بدل ثابت ہوں گی۔

(۱۵) سائنسی تحقیق اور اشیائے کائنات میں کارفرما قدرتی قانون کو قدرت کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

(۱۶) اللہ کی محبت کے زیر اثر دولت کے لئے مجنون وار ادائیں اور اس کے لئے حرص وہوس کے جذبات مدھم ہو جائیں گے۔

(۱۷) شراب، زنا، جوا، خنزیر کے گوشت کے استعمال اور نشہ آور چیزوں پر پابندی ہو گی، اس لئے کہ یہ روح کی بالیدگی کی راہ میں سخت رکاوٹ ہیں اور اللہ کی تعلیمات کے منافی بھی ہیں۔

اہل مغرب نے اگر کرونا وائرس کے اس پیام کو سمجھنے کی کوشش کر کے اللہ پرستی پر مبنی روحانیت کی راہ اختیار کی تو ان سے کام لیا جائے گا، ورنہ اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی دوسری قوم کا انتخاب کرے گا، جو قدرت کے اس مقصد میں معاون ثابت ہو گی۔

مادی تہذیب اور اس سے بچاؤ کی صورت

اس وقت پوری انسانیت خوف وہراس کی حالت میں مبتلا ہے اور لگ بھگ ہر فرد احساس تنہائی کی قید میں گرفتار ہے، قرآن نے ایسے حالات کی نشاندہی فرمائی ہے، سورۃ الروم کی آیت نمبر ۴۱ ہے **"ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس"** لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے۔

موجودہ دور میں یہ صورتحال مادہ پرستی پر مبنی عالمی تہذیب کے غلبہ ہی کا نتیجہ ہے، جس نے ساری انسانیت سے خودشناسی اور اللہ شناسی کی راہ مسدود کر کے، اسے نفس پرستی کی راہ پر لگا دیا ہے، نفس پرستی ہی مادیت پرستی اور مادی تہذیب کو جنم دیتی ہے، جب کہ خودشناسی، اپنی حیثیت اور اپنی حقیقت کو سمجھنے اور انسانی طبیعت میں موجود خیر اور شر کی قوتوں کی معرفت میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اللہ شناسی سے اللہ سے قریب ہونے، اس کی عظمت کے احساس کے غالب ہونے اور اس کی اطاعت کے ملکہ کے راسخ ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

عالمگیر مادی تہذیب نے انسان ذات کو سب سے بڑا جو نقصان پہنچایا ہے، وہ انسانی فطرت میں موجود خودشناسی اور اللہ شناسی کے طاقتور تقاضے کو مضمحل کرنے کا نقصان ہے، جس کی وجہ سے مادہ پرستی کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں دور ہو کر، انسانیت مادیت میں مستغرق ہو گئی ہے۔

خودشناسی سے انسانی شخصیت میں موجود اصل جوہر یعنی روح کی صلاحیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں اور روح اور نفسی قوتوں کے درمیاں جنگ برپا ہوتی ہے، ایک وقت آتا ہے کہ روح نفسی قوتوں پر غالب آجاتا ہے اور روح کی محبوب حقیقی سے وصال کی حالت قائم ہوتی ہے۔

اس دور میں مادی تہذیب نے انسان کو روح اور نفسی قوتوں کے درمیاں کشمکش سے محروم کر کے، سراسر مادہ پرست بنا دیا ہے اور مادہ پرست انسان اللہ کی زمین کو فساد سے بھرنے، زندگی کو

عیش و عشرت، راحت اور لذت سے بہرہ ور کرنے میں ہی اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے لگتا ہے۔

مادی تہذیب کے علمبرداروں نے مادیت سے عشق کی وبا پوری انسانیت میں پھیلا دی ہے، ان کی انڈسٹری اسی سے وابستہ ہے۔

اللہ بیزار تہذیب کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلانا اور اس کے لئے منصوبہ بندی کرنا اور وسائل خرچ کرنا کوئی معمولی جرم نہیں ہے بڑا گناہ ہے اور اللہ کے عتاب کو دعوت دینا ہے، جب اللہ کا عتاب آتا ہے تو ساری مادی تدابیر بیکار محض ثابت ہوتی ہیں، اس وقت بچاؤ کی ایک صورت ہے وہ عاجزی کی راہ اختیار کر کے مادی تہذیب سے دستکش ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے، لیکن چونکہ مادی تہذیب کے علمبرداروں کی مادی تہذیب پر فدائیت کی ادائیں غالب ہو جاتی ہیں، اس لئے وہ اس مادہ پرستی کی راہ سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

تاہم اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اگر خود رجوع نہیں ہوتے تو نہ ہوں، لیکن بالخصوص مسلمان ممالک پر بھی اپنی مادی تہذیب کو مسلط کرنے سے باز آجائیں اور مسلمان حکمرانوں کو اپنے ملک میں اپنی پاکیزہ تہذیب کو فروغ دینے اور اس تہذیب سے ہمہ آہنگ تعلیمات کو نافذ کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اول تو تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی، فرعون نے ان کی اس دعوت سے سرکشی اختیار کی تو آپ نے ان کو کہا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ان کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دیدو، فرعون نے آپ کی یہ دونوں باتیں رد کی، اس پر ان پر شدید عذاب آیا اور فرعون اور فرعونی دریا میں غرق ہوئے۔

مادی تہذیب کے علمبرداروں سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ وہ کم از کم مسلمان ممالک کو اپنی جملہ پالیسیاں خود بنانے کی اجازت دیں، ان کی معیشت، ان کی معاشرت اور ان کے نظام تعلیم کو کنٹرول کرنے کی روش کو ترک کریں۔

اگر وہ خود اللہ پرستی کی راہ اختیار نہیں کرتے تو نہ کریں، لیکن مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے روکنے کی روش سے باز آجائیں۔

ایسا کرنے سے بھی انشاءاللہ، اللہ کے عتاب میں کمی آسکتی ہے۔

مسلم ملکوں کے حکمرانوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ وہ اس موقعہ پر اللہ سے عہد کریں کہ وہ اپنے ملکوں میں مادہ پرستی پر مبنی تہذیب کو پنپنے نہیں دیں گے، اور اسلام کے عدالتی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی نظام کو اختیار کریں گے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے عہد کرنے سے انشاءاللہ مسلم ممالک سے اس وبا کو ٹال دیا جائے گا۔

قرآن میں اللہ نے نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے۔

سورۃ النحل کی آیت نمبر ۳۰ ہے **"للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا حسنة ولدار الآخرة خیر"** (نیکوکاروں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے تو آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے)۔

قوم کے مختلف طبقات کو دعوت فکر

خود احتسابی سے کام لینے کی ضرورت

آج کل انسانیت کے حالات المناک ہیں، ہر فرد کا دل دکھی ہے، انسانیت جب آخری حد تک اللہ سے دوری اختیار کر کے، نفسی قوتوں اور مادہ پرستی کے زیر اثر آجاتی ہے تو اللہ کی ناراضگی یقینی ہو جاتی ہے، ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم اللہ کی ناراضگی کے اسباب کو دور کریں اور اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی کوششوں میں لگ جائیں، تبدیلی کا یہ عمل انفرادی سطح پر بھی ہو تو اجتماعی سطح پر بھی۔

قرآن میں ہے **"ان اللہ لایغیر ما بانفسھم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم "**(بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنے حالات میں تغیر برپا نہیں کرتی)۔

اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ افراد خود احتسابی سے کام لے کر یہ دیکھیں کہ ان کے وہ کیا اعمال ہیں، جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہیں، مثلا سرکاری افسران جائزہ لیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے بڑے پیمانہ پر رشوت لے کر حرام مال سے جائداد بنائی ہے اور لوگوں سے لوٹ مار کر کے، ان کی بددعائیں لی ہیں، اور رشوت کے کلچر کو عام کر کے اللہ کے عتاب کو دعوت دی ہے۔

اہل سیاست اور حکمرانوں کو (ماضی کے حکمران طبقات سمیت) سب کو جائزہ لینا ہوگا کہ کہیں انہوں نے قومی خزانہ میں لوٹ مار اور بڑے پیمانہ پر رشوت کے ذریعہ پاکستانی ملت کو عالمی اداروں کا اربوں ڈالر کا مقروض تو نہیں بنایا، اس طرح عام لوگوں کو افلاس اور محتاجی کی بدترین حالت میں تو مبتلا نہیں کیا۔

سرمائیداروں اور تاجروں کو جائزہ لینا ہوگا کہ کہیں انہوں نے ٹیکس چوری، مہنگائی، سرکاری افسروں سے ملی بھگت کر کے، میٹر میں خرابی کے ذریعہ بجلی چوری کر کے قوم کو کروڑوں اور اربوں روپے کا نقصان تو نہیں پہنچایا۔

تعلیمی ماہروں اور یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ کو دیکھنا ہوگا کہ تعلیم کے حوالے سے انہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کر کے اور طلبہ کی بہتر تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام نہ دے کر وہ نوجوان نسل کی ذہنی افلاس کا ذریعہ تو نہ بنے۔

میڈیا کے مالکان اور اس سے وابستہ افراد کو جائزہ لینا ہوگا کہ میڈیا کے ذریعہ انہوں نے عریانی وفحاشی کو پھیلانے، غلط ذہن سازی کرنے اور اہل سیاست کے اختلافات کو ہوا دے کر انہیں ایک دوسرے سے دور کرنے اور قوم کی غلط تربیت کرنے میں کردار تو ادا نہیں کیا۔ اس طرح سارے طبقات کو خود احتسابی سے کام لے کر جائزہ لینا ہوگا۔

ہماری نظر میں موجودہ المناک حالات کا اصل سبب قوموں اور ان کے مختلف طبقات سے وابستہ افراد کے اعمال بد ہی ہیں، جو اللہ کی ناراضگی کا موجب بنے۔

دوسری قوموں کو چھوڑ کر ہمیں اپنے ہاں خود احتسابی کے عمل کو تیز کرنا ہوگا، خود احتسابی سے کام لے کر ضمیر سے فتویٰ پوچھنے کے بعد ضمیر از خود گواہی دے گا کہ ان حالات کے پیدا کرنے میں ہمارا اپنا کردار کیا ہے، ضمیر کی طاقت ایسی چیز ہے، جس کی موجودگی میں دوسروں سے پوچھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں، ضمیر سب کچھ بتائے گا، اس طرح خود احتسابی ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ بنے گی اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کا بھی۔

اپنے گناہوں سے معافی اور رجوع کے بعد ہی اللہ کی طرف سے عتاب سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں، اگر وقتی طور پر آفت میں کمی بھی واقع ہوئی تو قوم کے مختلف طبقات کے اعمال بد اللہ کے نئے نئے عتابوں کو دعوت دینے کا ذریعہ بنتے رہیں گے۔

ہماری نظر میں معاشرے میں اپنی تہذیب سے ہمہ آہنگ تحریک کی ضرورت ہے، جسے ثقافتی تحریک کہنا زیادہ صحیح ہوگا، اس ثقافتی تحریک کے ذریعہ ہر طبقہ کو یہ پیام دینا ہوگا کہ خدارا، وہ اپنی حالت اور قوم وملت کی حالت زار پر رحم کھا کر، اپنے حالات میں تبدیلی برپا کریں اور اپنی پاکیزہ تہذیب سے ہمہ آہنگ کردار اپنا کر اللہ کی پناہ میں آجائیں۔

موجودہ حالات میں
انسانیت کو حکمت وبصیرت کی حامل
قیادت کی ضرورت

اس وقت انسانیت کو عالمی سطح پر اور ملکوں کی سطح پر ایسی قیادت کی ضرورت ہے، جو قوموں کے بارے میں اللہ کے قانون مکافات کو سمجھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، جو قوموں کے رخ کو خود شناسی اور اللہ شناسی کی راہ پر موڑنے کی استعداد کی حامل ہو۔

اس طرح کی قیادت ہی قوموں کو کرونا وائرس کے پیدا کردہ ہمہ گیر وہمہ جہتی بحران سے نکالنے میں مدد کرسکتی ہے، حکمت اور حکیمانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور قیادت قوموں پر اللہ کا بڑا انعام ہوتی ہے، اس وقت انسانیت جتنے بڑے بحران سے دوچار ہے، بدقسمتی سے فہم وبصیرت کی حامل قیادت کا اتنا ہی زیادہ فقدان ہے۔

قوموں کے بارے میں قدرت کے عروج وزوال کے اسباب کو سمجھکر، صحیح فیصلے کرنا اور قوموں کے رخ کو بدلنا، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، ورنہ انسانیت کی کشتی ڈوبنے سے بچ سکے مشکل ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کا سارا تعلق اعمال صالحہ سے ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کا تعلق ایمان وعقیدہ سے ہوتا ہے، ایمان وعقیدہ پر مشتمل اعمال صالحہ سے محروم قومیں اپنی ساری مادی ترقی کے باوجود زوال سے بچ سکیں، ممکن نہیں۔

قوموں کے زوال میں ہمیشہ انسانی اقدار کی پامالی، اخلاقی وروحانی بحران، نفس پرستی اور مادیت پرستی کی دلدل میں مبتلا ہونا، ظلم، بغاوت اور سرکشی پر اتر آنا، اپنے جیسے انسانوں کی آخری حد تک پامالی کا ہونا، بالادست طبقات کی طرف سے نچلے طبقات کا ہر سطح پر استحصال کا ہونا اور قوموں کی سطح پر استحصالی نظام کو غالب رکھنے کی کاوشوں کا ہونا، بددیانتی، لوٹ مار اور رشوت کا عام ہونا، یہ ایسے جرائم

ہیں کہ جب وہ انتہا پر پہنچتے ہیں تو قومیں زوال کا شکار ہوجاتی ہیں اور انہیں بڑی سی بڑی مادی تدابیر بھی اس زوال سے بچانے میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتی، اس لئے کہ اخلاقی اور روحانی بگاڑ مادی تدبیروں سے دور نہیں ہوسکتا۔

قدرت کے اصول اٹل ہوتے ہیں، قومیں جب مادیت میں مستغرق ہوکر، اللہ فراموشی کی حدود پھلانگتی ہیں تو عتاب وارد ہوتا ہے، قدرت کے اس عتاب کا سب شکار ہوجاتے ہیں۔

مادیت پرست قوموں کی یہ ''خصوصیت'' ہوتی ہے کہ خالص اخلاقی وروحانی نوعیت کے فساد کے نتیجہ میں قدرت کی طرف سے آنے والے عتاب کو وہ خالص مادی نوعیت کا مسئلہ سمجھکر اسے حل کرنے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں۔

اس طرح کے مواقع پر حکمت وفراست کی حامل قیادت ہی قوموں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے کر، انہیں قدرت کے عتاب سے بچانے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں اور خالص اخلاقی وروحانی نوعیت کی تدابیر اختیار کرکے، قوم کے باطن کو تبدیل کرکے، باطن کی صحیح خطوط پر تعمیر کے کام کو اولیت دیتی ہے، بدقسمتی سے اس وقت پوری انسانیت اس طرح کی فہم وفراست کی حامل قیادت سے محروم ہے، جس کی وجہ سے قدرت کا عتاب شاید عرصہ تک جاری رہے اور جب تک ظلم واستحصال پر مبنی نظام کا خاتمہ نہ ہو، تب تک اس عتاب کے جاری رہنے کا امکان ہے، کاش کہ انسانیت کی موجودہ قیادت خالص روحانی واخلاقی مسئلہ کی نوعیت کو سمجھکر انسانی قافلہ کے رخ کو اللہ پرستی کی راہ پر چلائے۔

اس وقت انسانیت انتہائی قابل رحم حالت میں ہے، موت کا منظر عام ہے، خوف وہراس کی فضا غالب ہے، بے روزگاری اور معاشی بدحالی نے لوگوں کی زندگی اجیرن کردی ہے، مستقبل کے بارے میں بے یقینی کی فضا موجود ہے، ان سارے حالات میں یہ قوموں کی قیادت ہی کا کام ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی صحیح فکری رہنمائی کرکے، انہیں خوف وہراس اور بے یقینی کی حالت سے نکالے اور قدرت کے عتاب سے بچاؤ کے لئے ان کے سامنے لائحہ عمل پیش کرے، اللہ بہت کریم ذات ہے، اس کے سامنے اجتماعی طور پر توبہ کی راہ اختیار کرنے سے اس سارے منظر میں تبدیلی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

آفتوں کا خاموش پیام

مسلمانوں کے لئے راہ عمل

قدرت کی آفتوں میں ایک خاموش پیام یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنے خالق کی معرفت حاصل کریں، اس کی طرف رجوع ہوں، نیز دولت کے بندے بننے کے بجائے اللہ کے مخلص بندے بنیں، اور اللہ کے مخلص بندے بننے کی راہ میں حائل نفسی قوتوں سے شدید مقابلہ کرکے، اسے مطیع بنائیں، اللہ کی زمین پر فساد برپا کرنے کی روش سے باز آئیں، دوسروں پر بالادستی حاصل کرنے اور دنیا کو مقصود بنانے کی بجائے آخرت کی ابدالاباد والی زندگی کی تیاری کی فکر کریں۔

آفتوں اور وباؤں کے پس پردہ قدرت کا یہ اہم خاموش پیام ہوتا ہے، ماضی کی قوموں پر جو عتاب آئے، وہ ان کی بداعمالیوں کی سزا کے طور پر تھے، اللہ کا موجودہ عتاب ہمیں دینی، روحانی اور اخلاقی طور پر سنبھلنے اور اپنے اعمال کی درستگی کے لئے انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانیت نے قدرت کے اس خاموش پیام کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کی سرکشی کی روش میں بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا، عالمی قوت کی طرف سے دوسرے ملکوں کو چیلنج دینا، اسرائیل اور اور بھارت کی طرف سے مسلمانوں پر بڑھتے ہوئے مظالم، مادیت پرستی کے میلانات میں کمی کا نہ آنا، قوموں اور ملکوں کے مقتدر طبقات کی طرف سے بدعنوانی اور کرپشن کے واقعات کا عام ہونا، اور اللہ فراموشی وغیرہ یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ اس وبا سے سبق حاصل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی۔

کروناوائرس کی وبا کا یہ نتیجہ تو صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ کہ دنیا پر اب تک جن قوتوں کو بالادستی حاصل تھی، اس بالادستی کی وجہ سے ان قوتوں نے اللہ کی مخلوق کو پامال کیا، ان کا بے پناہ خون بہایا، ان کے وسائل پر قبضہ کیا، ان قوتوں کی بالادستی کے دن اب ختم ہونے والے ہیں، ان کی کہانی ماضی کی کہانی بن جائے گی، اس لئے کہ انہوں نے اس وبا سے سبق حاصل کرکے، اللہ کے سامنے گڑگڑانے اور اپنی روش سے باز آنے کی روش اختیار نہیں کی، اب قدرت نئی قوم یا قوموں کو کھڑا

کرے گی اور ان کو موقعہ دے گی کہ وہ آگے آئیں، اور اپنے کردار سے وہ ظالم قوموں کی طرح انسانیت کو پامال نہ کریں، دیکھیں، یہ قرعہ فال کس قوم کے نام نکلتا ہے۔

اگر مسلمان ممالک آزمائش کے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے اپنے ملکوں میں رجوع الی اللہ کی تحریک کو مستحکم کریں، اپنے نظام تعلیم کو اللہ کی محبت کی بنیادوں پر تشکیل دینے کی حکمت عملی اختیار کریں، مسلم ملت کے مفاد کو ترجیحات کی فہرست میں اولیت دیں، اور مشترکہ کرنسی کو مروج کرنے کی منصوبہ بندی کریں تو اس سے انشاءاللہ وہ مادیت پرست قوتوں کی جگہ دنیا کی قیادت کے مقام پر فائز ہوسکتی ہیں، اس طرح قدرت کی طرف سے آنے والی یہ آزمائش مسلم امت کو دنیا کی رہنمائی کے مقام پر کھڑا کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

مسلم امت قدرت کے ہر طرح کے وسائل اور ذخائر سے مالا مال ہے، ہر طرح کی افرادی قوت بھی اس کے پاس موجود ہے، اسلام کی صورت میں پاکیزہ اور طاقتور نظریہ بھی اس کے پاس موجود ہے، بس اسلامی نظریہ سے مستحکم وفاداری کا فقدان موجود ہے، اگر یہ کمی دور ہوجائے تو اسلام مسلم امت کو دنیا کی قیادت وامامت کے مقام پر فائز کرسکتا ہے، اس طرح اسلام ایک عالمگیر عملی دین کی حیثیت سے سامنے آکر پریشان حال انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ثابت ہوسکتا ہے۔

اپنے اجتماعی نظام کو بدلنے کی ضرورت

مسلمان حکمران اب تک عالمی طاقت امریکہ سے خوف زدہ رہتے تھے کہ ان کی مرضی پر نہ چلنے کے نتیجہ میں معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوگا، لیکن کرونا وائرس کی وبائے عالمی طاقت کے رعب، وبدبے اور قوت کو مضمحل کر دیا، ان کے ڈھائی کروڑ سے زیادہ افراد بے روزگاری کا شکار ہوگئے ایک لاکھ سے زیادہ افراد موت کا شکار ہوئے، اتنی شان وشوکت والا امریکہ معمولی وائرس کا مقابلہ نہ کر سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کی طاقت کے مقابلے میں اپنی طاقت کو سامنے لائے گا اور اللہ کی مخلوق پر اپنی خداوندی کو مسلط کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ اس کی حیثیت کو گرادے گا اور دنیا کی نظروں میں اس کی قدر وقیمت کو ختم کردے گا۔

یہ اللہ کی ایسی سنت ہے، جو ہمیشہ جاری وساری رہی ہے، اور اب بھی جاری رہے گی، برطانیہ جس کی سلطنت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا، وہ کس طرح زوال پذیر ہوا، یہ سامنے کی بات ہے۔

مسلمان حکمرانوں کو ہمت وحوصلہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی بھی قوت سے ڈرنے کی بجائے اپنی آزاد مرضی سے اپنی پالیسیاں اپنی پاکیزہ تہذیب سے ہمہ آہنگ بنانے کی ضرورت ہے، وہ اسلامی تعلیمات اور اصولوں پر صدق دلی سے عمل پیرا ہوں گے اور اپنے اجتماعی نظام کو تدریج کے ساتھ اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے تو اللہ کی مدد ان کے ساتھ شامل حال ہوجائے گی، اب امریکہ خود اپنے مسائل کی دلدل میں مبتلا ہوگیا ہے، ان مسائل کی دلدل سے نکلنا اس کے لئے دشوار تر ہوگا۔

اس وقت مسلمان ممالک کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سارے شعبوں سے وابستہ افراد کے لئے ایسا مختصر تعلیمی وتربیتی کورس متعین کریں (یہ کورس کم از کم دو سال کا ہو) جس میں مغربی تہذیب سے ان کی علمی، فکری اور عملی مرعوبیت کے خاتمہ کی صورت پیدا ہو اور اسلام کی صداقت پر ان کے اعتماد میں اضافہ ہو، دوسرے الفاظ میں ان میں اللہ

سے محبت کا نصب العینی داعیہ پیدا ہو اور اس نصب العینی داعیہ کے زیر اثر وہ مادیت سے بلند ہو سکیں اور ان کی جملہ اخلاقی خرابیاں دور ہو سکیں۔

اللہ کی محبت ایسا شعلہ ہے جس کے زیر اثر زندگی کا ہر پہلو اور ہر رخ پاکیزہ بنیادوں پر تبدیل ہونے لگتا ہے۔ لیکن اللہ کی محبت کا نصب العین مزاج کا حصہ بننے لگے اس کے لئے تربیت کے نظام کو تشکیل دینا پڑتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ خوف زدگی دراصل رشوت، بددیانتی، لوٹ مار، خیانت، اللہ کی مخلوق کی دل آزاری اور قساوت قلبی جیسی بیماریوں کے کڑو پھل ہیں جہاں یہ بیماریاں پیدا ہوں گی۔ وہاں خوف زدگی اور بزدلی پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، تربیتی نظام کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ ان بیماریوں سے بچاؤ اور پاکیزہ بنیادوں پر تربیت کی صورت پیدا ہو سکے۔

ویسے بھی کرونا وائرس کی وبا نے جس طرح ہمارا احاطہ کیا ہے، اس میں ہمیں اپنی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو بدلنے کی ضرورت ہے اور اللہ سے عہد کرنا چاہئے کہ ہم نے اب تک نفس پرستی اور مادیت سے دلبستگی کا مظاہرہ کرکے گناہ عظیم کیا ہے، اب ہم اپنی اس روش سے توبہ کرکے تیری پاکیزہ تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس کے لئے اپنے پورے اجتماعی نظام کو بتدریج تبدیل کریں گے۔ اس کے لئے ہمت، حوصلے اور قوت فیصلہ کی ضرورت ہے۔